148

محدث

وداعیاً الی اللہ باذنہٖ
وسراجاً منیراً

مجلس التحقیق الاسلامی

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ مُحدّث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدّث

لاہور

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مدیر معاون
اکرام اللہ ساجد

جلد ۱۷	ربیع الاول ۱۴۰۷ھ (مطابق نومبر ۱۹۸۶ء)	عدد ۳

فہرست مضامین

فکر و نظر

۱۔ شریعت ــــ محمدی یا سرکاری؟ — مدیر — ۲

دار الافتاء

۲۔ حضرت خضرؑ نبی تھے یا ولی؟ — حضرت مولانا جار اللہ ضیاءؔ — ۸

مقالات

۳۔ اسلام میں غلامی کا تصور — پروفیسر حافظ محمد ایوب — ۱۹

تہذیب اخلاق

۴۔ فریضۂ تبلیغ — جناب زاہد احمد ایم۔اے — ۳۱

تحقیق و تنقید

۵۔ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" — جناب غازی عزیرؔ — ۴۰

۶۔ "العلل المتناهیه ..." (مطبوع) کی تصحیح — حضرت مولانا فیض الرحمان ثوریؔ — ۴۹

یادِ رفتگان

۷۔ حضرت مولانا ابو سعید عبدالعزیز سعیدیؔ مرحوم — حضرت مولانا سعید مجتبیٰ السعیدیؔ — ۵۸

شعر و ادب: ۸۔ از مولانا عبدالرحمان عاجزؔ ۹۔ از جناب مفضل رو پڑی — ۳۹ - ۶۴

ث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے۔ ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ر حافظ عبدالرحمن مدنی — طابع: چودھری رشید احمد — مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور۔

دفتر رابطہ: ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور ۱۴ — زر سالانہ: -/۳۰ روپے — فی مجلہ: -/۳ روپے

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فکر و نظر

شریعت ــــــ محمدیؐ یا سرکاری؟

یوں تو حکومت اور ایم۔آر۔ڈی باہم دست و گریباں ہیں، لیکن شریعت بل کی مخالفت میں یہ دونوں ٹولے، حزبِ اقتدار اور حریصانِ اقتدار، ایک ہی صف میں کھڑے ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ سوشلزم اور سیکولرازم ایک دوسرے سے گلے مل کر شریعت کے خلاف اپنے دیرینہ اتحاد کی خبر دے رہے ہیں تاکہ نفاذِ شریعت سے بہرحال جان چھڑائی جا سکے۔

دینی حلقوں پر یہ الزام ہمیشہ لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ شریعت پر متفق نہیں ہو سکتے، اور اسی بنار پر یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ شریعت بل فرقہ وارانہ انتشار کا باعث ہو گا۔ چنانچہ لادین دانشوروں اور سرکاری اجارہ دار طبقوں کا یہ حربہ بڑا پرانا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف براہِ راست آواز اٹھانی چوں کہ مشکل ہے، اس لیے شریعت کی عملداری کے خلاف جب بھی کوئی سازش ہوئی، اسی مذکورہ بہانے سے ہوئی۔ عباسی دورِ خلافت میں عجمی فلسفہ اور قانون کو عربی میں منتقل کرنے کا کام مشہور زندیق ابن المقفع کے ہاتھوں ہوا، جس نے علمار اور قضاۃ کے فتووں اور فیصلوں کے اختلاف سے جنم لینے والے موہوم بحران کی آڑ میں عباسی خلفار کو سرکاری شریعت مدون کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ چناں چہ اسی سلسلہ میں اس کا ایک رسالہ...

"جَمْهَرَةُ رَسَائِلِ الْعَرَبِ" میں موجود ہے۔ ابن کے حامی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف تدبیروں سے منصور، مہدی اور ہارون رشید کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن امام مالکؒ کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ جدید دور میں یہی نظریۂ قانون، مستشرقینِ یورپ کے خوشہ چین آنجہانی غلام احمد پرویز نے "برسرِ اقتدار طبقہ کی کاسہ لیسی کے لیے متعارف کرایا ہے۔ جس میں اس نے حکومت کی مرکزی اتھارٹی کو "مرکزِ ملت" کا نام دے کر خدا اور رسول کے قائم مقام ٹھہرایا ہے، جو "ختمِ نبوت" کے عقیدہ کے خلاف "نبوت کے تسلسل" کا ہی ایک نظریہ ہے۔

بالفاظِ دیگر، انگریز کے خود کاشتہ پودا "قادیانیت" کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کے زوال کے لیے "جہاد" کی مخالفت کرتے ہوئے جو سازش تیار کی تھی، وہی سازش غلام احمد پرویز نے اہلِ علم کے "اجتہاد" کی بجائے، سامراج اور سرکار کی ذہنی غلامی پیدا کرنے کے لیے "مرکزِ ملت" کا تصور پیش کر کے کی ہے تاکہ شریعتِ الٰہی پر انسانی قانون کو بالادستی دی جا سکے۔ واضح رہے کہ مروجہ قوانین کی اصل، "حمیری تختیوں" کو قرار دیا جاتا ہے، جس کی بنیاد نمرود کے ہاتھوں رکھی گئی۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ غلام احمد پرویز کے اس نظریۂ قانون کے تحت سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ اگر فکری بالادستی بھی سرکار کو حاصل ہو گئی تو یہ ملتِ ابراہیمی کے خلاف نمرودی ذہن کی بازگشت ہو گی۔

ابن المقفع وغیرہ نے عجمی فلسفۂ قانون کی چربہ سازی کرتے ہوئے عباسی خلفاء، منصور اور پھر مہدی کو جب سرکاری شریعت کی تدوین کا مشورہ دیا، اور انہوں نے یہ تجویز امام مالکؒ کے سامنے پیش کی تو امام صاحب نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اسی تجویز کے رد میں امام مالکؒ کا یہ مقولہ معروف ہے کہ :

"مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَوْلُهٗ مَقْبُوْلٌ اَوْ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔"

یعنی "ہر کسی کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔ ہاں مگر یہ صاحبِ روضہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ آپؐ کی بات صرف قبول ہی کی جائے گی، رد ہرگز نہیں کی جا سکتی!"

آخری مرتبہ ہارون رشید نے جب اسی تجویز کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا کہ امام مالکؒ کی مؤطا کو کعبہ میں لٹکا کر جملہ دیار و امصار کے مجتہدین کو اس کا پابند بنایا جائے تو آپؒ نے اس صورت کو بھی تسلیم کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار فرما دیا کہ مؤطا ساری شریعت کا مجموعہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صحابہؓ و تابعینؒ کے دیگر علاقوں میں پھیلنے کے ساتھ ساتھ کافی احادیث اور روایات بھی ان علاقوں میں پہنچ چکی ہیں، جب کہ ہر ایک کو صرف وحی کی اتباع کا حکم ہے۔ لہٰذا وہ اپنے پاس محفوظ سنّت پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہیں ——— یوں سرکاری شریعت مدون کرنے کی یہ سازش دب گئی!

اس "تدوینِ شریعت" کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہؒ کو "تعبیرِ شریعت" کا مسئلہ درپیش ہوا، کہ اس دور میں یہ اہم منصب شعبۂ قضاء کے پاس تھا اور اس سلسلے میں قاضی القضاۃ کی حیثیت کلیدی ہوتی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے اس عہدہ کو قبول کرنے کی صورت میں چوں کہ یہ خطرہ تھا کہ آپؒ تعبیرِ شریعت کے سلسلہ میں سرکاری ذہن کی بالادستی کے فتنہ سے دوچار ہو سکتے تھے۔ اس لیے آپؒ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ سنّتِ یوسفیؑ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپؒ کو اس انکار کی پاداش میں قید و زندان بھی قبول کرنا پڑا۔

آج اگرچہ بہت کم مسلمان اپنے اسلاف کے اس ایمانی جذبہ اور کسی مسئلہ

کو قبول کرنے میں اس احتیاط سے متصف ہیں، لیکن ہماری روایات بڑی تابندہ ہیں۔ اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اور اس مبارک ورثے کے خلاف ہم ان شاء اللہ کوئی بھی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے! ـــــ سرکاری فکر کے اجارہ دار اور لادین دانشور ہمیشہ یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ شریعتِ محمدی کا نفاذ اس لیے ممکن نہیں کہ علماء شریعت پر متفق نہیں ہو سکتے، حالاں کہ علماء نے یہ چیلنج آج بھی قبول کیا ہے اور اس سے قبل بھی انہوں نے اسلامی دستور کے لیے بائیس (۲۲) بنیادی نکات متفقہ طور پر پیش کر کے قبول کیا تھا لیکن افسوس کہ جس طرح سرکار نے ان بائیس (۲۲) نکات کی پذیرائی نہ کی اور انہیں سردخانہ میں ڈال دیا، بالکل اسی طرح آج بھی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والے اس خطۂ ارضی میں شریعت کے نفاذ کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں اور علماء کو اس کے لیے تحریک چلانی پڑ رہی ہے۔

یہی سلوک سرکار نے "قرار دادِ مقاصد" کے ساتھ کیا ـــــ کہنے کو تو یہ مارچ ۱۹۴۹ء میں پاس کر دی گئی، لیکن اسے قانونی حیثیت دینے سے پہلو تہی کی جاتی رہی۔ اب قرار دادِ مقاصد کو اگرچہ دستور کا حصہ بنا دیا گیا ہے، لیکن جب اسے عملی حیثیت دینے کے لیے شریعت بل پیش کیا گیا تو اب نعرہ یہ لگایا جا رہا ہے کہ شریعت بل دستور کے منافی ہے۔ اس پر مستزاد یہ پروپیگنڈہ کہ شریعت بل سے فرقہ واریت کو فروغ حاصل ہو گا، جو وہی پرویزی ہتھکنڈہ اور نفاذِ شریعت سے بچنے کے لیے پرانی حیلہ سازی ہے۔ حالاں کہ جملہ دینی مکاتبِ فکر "قرار دادِ مقاصد" اور "متفقہ بائیس نکات" کے مرحلہ سے کامیاب گزرنے کے بعد ایک دفعہ پھر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف لادین طبقہ کے اس "فقہی اختلافات" کے پروپیگنڈہ کو توڑنے کے لیے کتاب و سنت پر اتحاد

کر کے مثبت جواب دیا ہے، بلکہ فقہی اختلافات سے پاک ایک "متفقہ شریعت بل" پیش کر کے شریعت پر حکومت کی فکری اجارہ داری قائم ہونے کی بھی نفی کر دی ہے۔

ہمارے اکابرین ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے یہ روایت قائم کی تھی کہ سیاسی قوت کے ساتھ علمی اور فکری بالادستی کا توازن قائم رہے تاکہ سیاسی آمریتوں کے ساتھ علمی آمریت جمع نہ ہو سکے۔ بالکل اسی انداز سے دینی مکاتبِ فکر نے جہاں شریعت بل کی دفعہ ۲ میں اختلافی شقوں، ب، ج، د، کو متفقہ بنا لیا ہے، وہاں "اجتہاد" کے نام پر "الحاد" کے دفاع کے لیے دفعہ ۱۲ کو باقی رکھنے پر زور دیا ہے تاکہ محمدی شریعت کی جگہ بناوٹی شریعت نہ لے سکے۔

قراردادِ مقاصد کو مؤثر حیثیت دینے کی غرض سے پیش کیے جانے والے شریعت بل کو حکومت نے ٹالنے کی خاطر "نویں آئینی ترمیم" پر اکتفا کرنے کی کوشش کی اور اسی کو شریعت بل کا نام دیا۔ حالاں کہ خود نویں آئینی ترمیم کو بھی سینٹ میں جس شکل میں پاس کرایا گیا، وہ اُس قرارداد سے قطعی مختلف ہے جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو قومی اسمبلی نے اسی نویں آئینی ترمیم کی خاطر متفقہ طور پر منظور کی تھی۔ کیوں کہ اس قرارداد میں قرآن وسنت کی بالادستی تسلیم کی گئی تھی۔ جب کہ نویں آئینی ترمیم میں اسے بدل کر اسلام کے ان احکام کی بالادستی منظور کروائی گئی، جنھیں حکومت قانون سازی کے ذریعے متعین کرے۔ اور یوں محمدی شریعت پر سرکاری شریعت کی بالادستی، یا بالفاظِ دیگر شریعت پر حکومتی اجارہ داری قائم کرنے کی سازش کی گئی۔

اسی طرح اب چوں کہ دینی حلقے نویں آئینی ترمیم کو قابلِ اصلاح اور ناکافی سمجھتے ہیں لہٰذا "پرائیویٹ شریعت بل" کے بالمقابل "سرکاری شریعت بل" لانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ اس سلسلے میں علماء کا بورڈ بنانے کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔ حالاں کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے بڑھ کر وہ کون سا علماء بورڈ ہوگا جو آئینی حیثیت

بھی رکھنا ہو ؟ پھر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اس "متفقہ ترمیمی شریعت بل" کے مطابق بھی ہیں جو جملہ مکاتبِ فکر کے نمائندوں نے تیار کیا ہے! ——

یہ ساری مساعی دراصل نفاذِ شریعت کی راہ میں بند باندھنے کے مترادف ہیں، اور اسی بنار پر انتہائی مذموم بھی۔

رہا شریعت بل کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کہ یہ آئین سے متصادم ہے، تو یہ بھی محض اس وجہ سے ہے کہ سرکاری شریعت بل لاکر قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کو پامال کیا جا سکے۔ ورنہ سوچا جائے کہ اگر قراردادِ مقاصد کی تکمیل کے لیے شریعت بل کو منظور کرنے سے آئین میں کچھ ترامیم کی ضرورت پڑتی ہے، تو یہ ترامیم اس لیے بھی ضروری ہیں کہ خود قراردادِ مقاصد بھی تو آئین کا حصہ ہے، اور اس بنار پر آئین کا باہمی تضاد ختم ہونا چاہیے۔ یوں اس غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ آئین کا یہ تضاد ختم کرنے کے لیے ایسی ترامیم کو نویں آئینی ترمیم میں شامل کیا جا سکتا ہے، جو دینی حلقوں کا دیرینہ مطالبہ بھی ہے۔ یوں حکومتی پارٹی کی انا بھی باقی رہے گی اور شریعت بل کو مؤثر قانونی حیثیت بھی حاصل ہو جائے گی!

یاد رہے کہ شریعت بل کا مرکزی تصور حکومت کے جملہ شعبوں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ پر شریعت کی بالادستی ہے۔ اور یہ کام جس طریقہ سے بھی پورا ہو، بہرحال ریفرنڈم میں نفاذِ شریعت کی تکمیل کے وعدہ پر قائم ہونے والی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ اگر متفقہ شریعت بل کی منظوری سے پہلو تہی کی گئی تو خود حکومت اور اسمبلیوں کے جواز کو بھی چیلنج کیا جا سکتا ہے —— فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ!

(مدیر)

دار الافتاء — حضرت مولانا جار اللہ ضیاء

حضرت خضر علیہ السّلام نبی تھے یا ولی؟

ضلع گوجرانوالہ سے ماسٹر بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں :

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں چند سوالات روانۂ خدمت ہیں، امید ہے آپ تسلی بخش جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ سوالات درج ذیل ہیں :

(۱) حضرت خضرؑ نبی تھے یا ولی؟

(۲) قرآنِ مجید بتلاتا ہے، آپؑ نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا، آپؑ کیسے یہ جان گئے کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر سرکشی کا مرتکب ہوگا؟

(۳) اس لڑکے کا کیا قصور تھا یعنی ارتکابِ جرم کے بغیر سزا چہ معنی؟

(۴) لڑکے کا خون کس کے ذمہ ہے، کیا اس کا قصاص ادا کیا گیا؟

(۵) "یہ لڑکا بڑا ہو کر سرکشی کا مرتکب ہوگا"، یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ شاید اس کی عمر زیادہ تھی، تو پھر وہ طبعی عمر تک زندہ کیوں نہ رہا؟

(۶) خضرؑ کی زندگی کتنے برس تھی؟ وفات کب اور کس جگہ ہوئی؟ قبر مبارک کہاں واقع ہے؟ ——— والسلام!

الجواب بعون الوهاب

(۱) حضرت خضرؑ کی شخصیت مسلمانوں میں اس اعتبار سے متنازعہ فیہ رہی ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی؟ نیز وہ ابھی تک زندہ ہیں یا انسانوں کے بارے میں قانونِ ایزدی کے مطابق اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے؟ ——— اور یہ اختلاف چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں اس وقت رونما ہوا جب عجمی تصوف کے علمبرداروں نے

مسلمانوں میں اس عقیدہ شنیعہ کو رواج دینا چاہا کہ معاذ اللہ اولیاء، علم وفضل اور ادراک و معرفت میں انبیاءؑ سے افضل ہوتے ہیں، اور وہ باطنی علوم ومعارف کی وجہ سے علومِ ظاہری کے حامل (بشمول حضرات انبیاء علیہم السلام) جملہ انسانوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ انہی افکار کے نتیجہ میں قرآنِ مجید میں مذکور قصۂ موسیٰ وخضر (علیہما السلام) کے حوالے سے یہ بات مشہور کی گئی کہ حضرت خضر (علیہ السلام) چونکہ علمِ لدنی کے حامل اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) صرف علومِ ظاہری سے آشنا تھے، اس لیے وہ حضرت خضر (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے نظر آتے ہیں۔[1]

مگر جیسا کہ ہم نے عرض کیا، یہ عقیدہ عجمی تصوّف کی پیداوار اور اس سے بعض مسلم صوفیاء کی اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے چوتھی صدی ہجری سے قبل ایسے غیر حقیقت پسندانہ نظریات کا وجود ناپید رہا۔ بعد میں کچھ مہربانوں نے متعدد ایسی روایات کو وجود و فروغ بخشا، جن سے مذکورہ بالا عقیدہ کی نقلی تائید مقصود تھی۔[2] اس کے برعکس اگر متعلقہ قرآنی آیات اور ان کے اسلوبِ بیان کو پیشِ نظر رکھا جائے تو راجح یہی امر نظر آتا ہے کہ حضرت خضرؑ ولی نہیں بلکہ نبی تھے۔ اس لیے کہ قرآنِ مجید نے جس انداز میں ان کے شرف کا ذکر کیا ہے، وہ مقامِ نبوت پر ہی صادق آتا ہے، اور مقامِ ولایت ان سے فروتر ہے۔ مثلاً حضرت خضرؑ نے غلام کے قتل کی وجہ یوں بیان کی ——— قرآنِ مجید کے الفاظ میں:

"وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي" (الکہف: ۸۲)

کہ "یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا۔"

اور ظاہر ہے کہ کسی ولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ الہام کے ذریعہ کسی کو قتل کر دے اس لیے کہ الہام میں غلطی کا امکان ہے اور وہ شرعی حجت نہیں۔ لہٰذا امورِ تکوینیہ میں سے ایک ایسا امر، جو بظاہر نہایت قبیح اور بہت بڑا جرم ہے، صرف وحیِ الٰہی

---

[1] قصہ موسیٰؑ وخضرؑ کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الکہف آیت ۶۰ تا ۸۲

[2] دیکھئے: الاصابۃ: ۱/۴۳۳

کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا ہے۔ نیز حضرت موسیٰ و خضر (علیہما السلام) کے درمیان گفتگو کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے، وہ بھی ان کے نبی ہونے کی تائید کرتا ہے، اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر، حضرت خضرؑ کی معیت اور ان کے علمِ تکوینی کے مشاہدے کے لیے اصرار کرتے ہیں، اور تبھی حضرت خضر (علیہ السلام) جراءت کے ساتھ اپنے علم اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان موازنہ کرتے ہیں۔[1]

علاوہ ازیں بعض صحابہ کرامؓ، محدثین اور مفسرین کی تصریحات اور ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیا جائے تو اس امر کو مزید تقویت ملتی ہے کہ خضر (علیہ السلام) نبی تھے نہ کہ ولی۔ مثلاً:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"اِنَّہٗ نَبِیٌّ غَیْرُ مُرْسَلٍ۔"

"حضرت خضر علیہ السلام غیر مرسل نبی تھے۔"

۲۔ ثعلبی کہتے ہیں:

"ھُوَ نَبِیٌّ فِیْ سَائِرِ الْاَقْوَالِ۔"

"وہ جملہ اقوالِ (معتبرہ) کی رُو سے نبی تھے۔"

۳۔ وہب بن منبہ، ابوالحسن الرمانی وغیرہما بھی ان کے نبی ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔[2]

۴۔ مشہور مفسر قرطبی فرماتے ہیں:

"ھُوَ نَبِیٌّ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ وَالْاٰیَۃُ تَشْھَدُ بِذٰلِکَ۔"[3]

"وہ جمہور کے نزدیک نبی ہیں۔ اور آیاتِ قرآنیہ بھی اس امر کی شاہد ہیں۔"

۵۔ ابوحیان رقمطراز ہیں:

"وَالْجُمْھُوْرُ عَلٰی اَنَّہٗ نَبِیٌّ۔"[4]

"جمہور کے نزدیک وہ نبی تھے۔"

۶۔ امام شوکانی نے تصریح کی ہے:

---

[1] سیوہاروی، قصص النبیین ۱/۵۴۵ [2] الاصابۃ ۱/۴۳۰، ۴۳۱۔ [3] ایضاً

[4] البحر المحیط ۶/۱۴۶

" وَ قَدْ ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ إِلٰى اَنَّ الْخِضَرَ كَانَ نَبِيًّا "[1]

"جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ نبی تھے۔"

جمہور نے اپنے مسلک کی تائید میں مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ سے بھی استنباط کیا ہے:

۱۔ " فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ الاٰیۃ "

(الکہف: ۶۵)

"(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی۔"

بایں طور کہ رحمت سے مراد نبوت ہے، جیسا کہ آیۂ ذیل میں "رحمت" سے مراد بالاتفاق "نبوت" ہے:

" اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۔ الاٰیۃ !" (الزخرف: ۳۲)

"کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟"

۲۔ " وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا " (الکہف: ۶۵)

"اور ہم نے اسے اپنے ہاں سے علم دیا تھا۔"

آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ انہیں یہ علم بغیر کسی انسانی واسطہ کے ملا تھا۔

۳۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ الاٰیۃ !" (الکہف: ۶۶)

"موسیٰ ؑ نے ان (خضر ؑ) سے کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔"

اور ظاہر ہے نبی، غیر نبی سے علم حاصل نہیں کرتا۔

۴۔ " وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ۔ الاٰیۃ !" (الکہف: ۸۲)

"میں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں (بلکہ خدا کی رضا سے) کیا ہے۔"

اور یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے[2]

اس بارے ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ حضرت خضر (علیہ السلام) ولی تھے اور

---

[1] فتح القدیر ۳/۳۰۴ [2] ایضاً

نہ ہی نبی، بلکہ وہ ایک فرشتہ تھے جو کہ انسانی روپ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیقِ سفر بنے اور کئی امورِ غیبیہ سے پردہ اٹھایا۔ اس روایت کو ابنِ کثیرؒ نے ماوردی کے حوالے سے نقل کیا ہے :

"وَقِيلَ كَانَ مَلَكًا نَقَلَهُ الْمَاوَرْدِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ"[1]

"اور کہا گیا ہے کہ وہ (خضرؑ) فرشتہ تھے۔ اسے ماوردی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔"

مگر یہ محض ایک قول ہے جس کی کسی بھی عقلی اور نقلی دلیل سے تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی تردید قصّہِ موسیٰؑ و خضرؑ کے ضمن میں وارد احادیثِ صحیحہ کے اُن الفاظ سے ہوتی ہے جو کہ حضرت ابنِ عباسؓ سے یوں منقول ہیں :

"سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَامَ مُوسٰى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ "أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ"؟ فَقَالَ "أَنَا أَعْلَمُ"[2]

کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، موسیٰ (علیہ السلام) خطبہ دینے کے لیے بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا "النّاس" (انسانوں) میں کون سب سے بڑا عالم ہے؟" تو انھوں نے فرمایا؟ "میں!"

حدیث کے الفاظ (النّاس) اس امر پر صریح اور واضح دلالت ہیں کہ یہاں علمی تقابل انسانوں کے درمیان ہو رہا ہے نہ کہ فرشتے اور انسان کے درمیان!

(۲) نصِ قرآنی اس امر کی شاہد ہے کہ خضر علیہ السلام نے دورانِ سفر ایک (غلام) کو قتل کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ - الآية!" (الکہف : ۷۴)

"پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضرؑ نے) اسے مار ڈالا۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۳/۹۹

[2] صحیح مسلم مع شرح النووی جز ۱۵ ص ۱۳۷ (باب فضائل الخضر)

اور علت یہ بیان کی کہ مستقبل میں اس کے سرکشی اور کافرانہ طرزِ حیات اپنانے کا اندیشہ تھا:

"وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوَاہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ۔ الآیۃ!" (الکہف: ۸۰)

"اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔"

لیکن کیا کسی کا مستقبل میں ارتکابِ جرم مستوجبِ قتل ہو سکتا ہے؛ اس بارے میں مفسرین کی آراء مختلف نظر آتی ہیں۔ چنانچہ:

ایک قول یہ ہے کہ مقتول بالغ اور مکلف تھا اور اس نے کئی ایسے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جو اس کے قتل کا جواز فراہم کرتے تھے۔ اور اگر اسے مزید مہلت دی جاتی تو وہ مزید فتنہ و فساد کا موجب بنتا۔ لہٰذا اس کا قتل کرنا عین انصاف تھا۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک قرآنِ مجید یا حدیثِ نبوی میں اس امر کی صراحت موجود نہیں ہے کہ مقتول نابالغ تھا، قرآنِ مجید نے مقتول کے لیے لفظ "غلام" استعمال کیا ہے۔ جو کہ بالغ اور نابالغ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اور اہلِ زبان سے اس امر کی صراحت یوں منقول ہے:

"قِیْلَ اَصْلُهُ (غُلَامٌ) مِنَ الْاِغْتِلَامِ وَهُوَ شِدَّةُ الشَّبَقِ وَ ذٰلِكَ اِنَّمَا یَکُوْنُ فِی الشَّبَابِ الَّذِیْنَ قَدْ بَلَغُوا الْحُلُمَ"[1]

یعنی غلام کا مادۂ اشتقاق اغتلام ہے، جو کہ شدتِ شہوت سے عبارت ہے۔ اور وہ بالغ نوجوانوں میں ہی ہو سکتی ہے۔

لسان العرب میں ہے:

"اِغْتَلَمَ اِذَا هَاجَ فِی الشَّهْوَةِ وَالْغُلَامُ الطَّارُ الشَّارِبُ وَهُوَ مِنْ حِیْنَ یُوْلَدُ اِلٰی اَنْ یَّشِبَّ"[2]

کہ "اغتلم" کا مطلب شہوت کی انگیخت ہے۔ اور غلام اس نوجوان کو کہا جاتا ہے جس

---

[1] البحر المحیط: ۶/۱۰۵، بذیل مادہ (غلام)، [2] لسان العرب: ۱۵/۳۶۶، تاج العروس، ۹/۴:۵۰
نیز دیکھئے رازی: التفسیر الکبیر: ۲۱/۱۵۱

کی مسیں بھیگ رہی ہوں، پیدا ہوتے سے لے کر جوانی تک کے عرصہ پر لفظِ "غلام" کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس امر کی تائید حدیث میں قصّہ معراج کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں "... لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِیْ"[1] کے الفاظ استعمال فرمائے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔

امام شوکانیؒ غلام کے قتل کے سبب کے ضمن میں مختلف آراء کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"قِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ بَالِغًا وَقَدِ اسْتَحَقَّ بِذٰلِکَ کُفْرًا، وَقِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ یَقْطَعُ الطَّرِیْقَ فَاسْتَحَقَّ الْقَتْلَ لِذٰلِکَ وَالْحَاصِلُ اَنَّہٗ لَا اِشْکَالَ فِیْ قَتْلِ الْخِضْرِ لَہٗ اِذَا کَانَ بَالِغًا کَافِرًا اَوْ قَاطِعًا لِلطَّرِیْقِ ھٰذَا فِیْمَا تَقْتَضِیْہِ الشَّرِیْعَۃُ الْاِسْلَامِیَّۃُ"[2]

"ایک قول یہ ہے کہ وہ بالغ تھا اور کافر متحقق ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ڈاکو تھا، اس بناء پر قتل کا مستحق ٹھہرا۔ حاصل یہ کہ خضرؑ کے اسے قتل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، دریں حالیکہ وہ بالغ تھا، کافر تھا یا لٹیرا (بلکہ) یہ تو شریعت اسلامیہ کا عین تقاضا ہے۔"

امام رازیؒ رقمطراز ہیں:

"قِیْلَ اِنَّ ذٰلِکَ الْغُلَامَ کَانَ بَالِغًا وَکَانَ یَقْطَعُ الطَّرِیْقَ وَیُقْدِمُ عَلَی الْاَفْعَالِ الْمُنْکَرَۃِ"[3]

یعنی وہ غلام بالغ تھا، ڈاکہ زنی کے علاوہ دیگر جرائم کا ارتکاب بھی کیا کرتا تھا۔ اگر مذکورہ بالا موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو غلام کے قتل کا شرعی جواز موجود

---

[1] صحیح بخاری حدیث ۱۵۱۲ء [2] فتح القدیر، ۳/۳۰۴۔
[3] رازی: تفسیر کبیر ۲۱/۱۶۱۔

تھا، اور وہ "فساد فی الارض" جیسے جرم کے بدلے انجام کار کو پہنچا۔ اگر اسے مزید مہلت دی جاتی تو اس کی فتنہ سامانیوں کا دائرہ مزید وسیع ہو جاتا حتیٰ کہ اس کے نیک خصلت والدین بھی اس کی تباہ کاریوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ لہٰذا حکمتِ خداوندی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے فی الفور گرفت میں لیا جائے اور اس کے ہاتھوں متوقع خطرات سے تحفظ کی ضمانت فراہم کی جائے۔

اور اس کے برعکس اگر یہ موقف درست تسلیم کر لیا جائے کہ مقتول (غلام) نابالغ اور شرعاً غیر مکلف تھا تو اس خیال کے حامل گروہ کو اس اشکال کا سامنا کرنا ہوگا کہ صرف اس بناء پر کہ چونکہ وہ مستقبل میں طغیان و سرکشی کا مرتکب ہوگا، کیا اس کے قتل کا شرعی جواز موجود تھا؟ —— اس حوالے سے اگر مفسرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگرچہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے یہ درست نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ دیگر شرائع میں یہ درست ہو، جن میں حضرت خضر (علیہ السلام) کی شریعت بھی شامل ہے۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی شرعی دلیل ہے، لہٰذا وہ جب چاہے اور جو چاہے حکم جاری کر سکتا ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"...... وَاَمَّا اِذَا کَانَ الْغُلَامُ صَبِیًّا غَیْرَ بَالِغٍ فَقِیْلَ اِنَّ الْخِضْرَ عَلِمَ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ لَہٗ: لَوْ صَارَ بَالِغًا لَکَانَ کَافِرًا یَتَسَبَّبُ عَنْ کُفْرِہٖ اِضْلَالُ اَبَوَیْہِ وَکُفْرُھُمَا وَھٰذَا وَاِنْ کَانَ ظَاھِرُ الشَّرِیْعَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ یَاْبَاہُ ...... وَلٰکِنَّہٗ یَحِلُّ فِیْ شَرِیْعَۃٍ اُخْرٰی ...... وَیُمْکِنُ اَنْ یَکُوْنَ لِلْخِضْرِ شَرِیْعَۃٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ تُسَوِّغُ لَہٗ ذٰلِکَ"[۱]

یعنی اگر (غلام) بچہ تھا تو وجہ قتل کے ضمن میں کہا جائے گا کہ حضرت خضر (علیہ السلام) نے بطریق وحی معلوم کر لیا تھا کہ یہ بالغ ہو کر والدین کے کفر کا سبب بنے گا لہٰذا اسے قتل کر دیا جائے۔

[۱] شوکانیؒ: فتح القدیر ۳/ ۳۰۴

اگرچہ اس امر کی اجازت بظاہر شریعتِ محمدیہؐ میں نہیں ہے، لیکن ممکن ہے کہ کسی دوسری شرع میں جائز ہو، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صرف حضرت خضرؑ کی شرع میں ہی درست ہو۔

امام رازی اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں :

"اِنْ قِیْلَ ھَلْ یَجُوْزُ الْاِقْدَامُ عَلٰی قَتْلِ الْاِنْسَانِ بِمِثْلِ ھٰذَا الظَّنِّ ؟ قُلْنَا اِذَا تَاَکَّدَ ذٰلِكَ الظَّنُّ بِوَحْیٍ مِّنَ اللہِ جَازَ ۔" [1]

"اگر کہا جائے کہ کیا محض شبہ کی بنا پر کسی انسان کا قتل درست ہے ؟ تو کہا جائے گا کہ : ہاں جب وحی کے ذریعہ شک یقین میں تبدیل ہو جائے تو درست ہے"

جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں :

" وَقِصَّةُ الْخِضْرِ تُحْمَلُ عَلٰی اَنَّهٗ کَانَ شَرْعًا مُسْتَقِلًّا بِهٖ وَھُوَ نَبِیٌّ وَّ لَیْسَ فِیْ شَرِیْعَةِ مُوْسٰی اَیْضًا وَلِذَا اَنْکَرَہٗ ۔" [2]

کہ "قصہ خضرؑ کو (قتلِ غلام کے سلسلے میں) اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ چونکہ وہ نبی تھے لہٰذا یہ ان کے لیے ایک مستقل قانونِ شرعی کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ بات شریعتِ موسوی میں نہیں تھی لہٰذا موسیٰؑ نے اس پر انکار کیا۔"

الغرض 'قتلِ غلام' وحی الٰہی کی روشنی میں ہوا، اور حکمِ خداوندی ہی اصل شریعت اور قانون ہے اور وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا اور جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے۔

اس موقف کی تائید کے لیے اس ارشادِ ربانی میں بھی اشارہ موجود ہے :

" وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ۔" (الکھف ۸۲)

کہ "جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اپنی مرضی سے نہیں (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کیا ہے)"

(۳) یہ بات نصِ قرآنی سے ثابت ہے کہ حضرت خضرؑ کا ذریعۂ علم وحی الٰہی تھا، اور ان کے جملہ تصرفات آسمانی ہدایت کا نتیجہ تھے، چنانچہ ارشادِ خداوندی "وَمَا فَعَلْتُهٗ"

[1] رازی : تفسیر کبیر ۲۱/۱۶۱

[2] تفسیر قاسمی : ۷/۷۲

عَنْ اَمْرِیْ " اس امر کی واضح دلیل ہے۔

(۴) یہ سوال کہ اس قتل کا قصاص کس کے ذمہ ہے؟ اور اس کا قصاص کس نے ادا کیا؟ تو اس کا جواب مذکورہ بالا سطور میں آچکا ہے۔ اس لیے کہ قصاص کا مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے، جب حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے محض ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے انسانی خون کی حرمت کو پامال کیا جائے۔ مقاصدِ شرعیہ کی تکمیل کے نتیجے میں ہونے والے قتل کے بارے قصاص کا سوال ہی بے معنی ہے۔

(۵) لڑکے کو قتل اس لیے کیا گیا کہ اس کی طبعی عمر پوری ہو چکی تھی، اگر اس کی عمر باقی ہوتی تو قتل کا امکان بھی پیدا نہ ہوتا۔

(۶) ایسے سوالات اور ان کے جوابات مقاصدِ شریعت سے خارج ہیں، مطلوبہ امور کی تعیین میں کتاب اللہ بالکل خاموش ہے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آثارِ صحابہؓ اور تاریخی روایات بھی اس بارے ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتیں۔ ہم اس امر کے پابند نہیں ہیں کہ ہر نبی کے بارے اس کی زندگی اور وفات کے حوالے سے جملہ معلومات اکٹھی کریں۔ سلسلہ انبیاءؑ میں کتنے ہی ایسے اصحاب ہیں کہ ہم ان کی تاریخِ پیدائش و وفات اور مقامِ تدفین وغیرہ ایسے امور سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔

اور اگر یہ سوالات اس مفروضہ کی پیداوار ہیں کہ خضرؑ ابھی تک زندہ ہیں، اور اس بناء پر "عمرِ خضر" ایسی اصطلاحات بھی ایجاد کی جا چکی ہیں، تو یہ بات بلادلیل ہے۔ حضرت خضرؑ اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ چنانچہ ابوحیان لکھتے ہیں:

" اَلْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ مَاتَ "[۱]

"جمہور حضرت خضر علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں"

چنانچہ امام ابنِ قیمؒ کا دعویٰ ہے کہ امام ابنِ تیمیہؒ، امام بخاریؒ، ابنِ کثیرؒ، ابنِ جوزیؒ، قاضی ابویعلیٰ حنبلیؒ، ابوطاہر بن العباریؒ، علی بن موسیٰ الرضاؒ، ابوالفضل مرسیؒ، قاضی ابوبکر بن العربیؒ، ابوبکر محمد بن الحسنؒ، جیسے جلیل القدر محدثین اور مفسرین ان

[۱] الاصابہ ۱/۴۳۶

کی موت کے قائل ہیں۔[1]

مذکورہ بالا حضرات نے اپنے اس معقول موقف کی تائید میں کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد دلائل پیش کئے ہیں، ان میں سے اہم تر یہ ارشادِ خداوندی ہے:

"وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ - الآية!" (الانبیاء: ۳۴)

"ہم نے آپؐ سے قبل کسی بھی انسان کو ابدی زندگی نہیں دی"

لہٰذا اگر قوانینِ فطرت کے پس منظر میں "حیاتِ خضرؑ" جیسے عقیدہ کا جائزہ لیا جائے تو اسے ایک خرافی اور باطل عقیدہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس افسانوی نظریہ کی تقویت کے لیے متعدد روایات بھی تراش لی گئی ہیں، جو کہ کسی طرح بھی جرح وتعدیل کے مسلّمہ قواعد وضوابط پر پوری نہیں اترتیں، چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ ایسی روایات کو تفصیل سے نقل کرنے کے بعد محاکمانہ انداز میں رقمطراز ہیں:

"وَجَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي حَيَاتِهِ لَا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ النَّقْلِ"۔[2]

کہ "حیاتِ خضر علیہ السلام کے بارے وارد جملہ روایات بالاتفاق غیر صحیح ہیں۔"

امام ابوالفرج الجوزیؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "عُجَالَةُ الْمُنْتَظِرِ فِي شَرْحِ حَالَةِ الْخَضِرِ" تحریر کیا ہے، جس میں آپ حیاتِ خضرؑ سے متعلقہ روایات نقل کرنے کے بعد ان پر مبصرانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان میں سے اکثر موضوع اور بقیہ ضعیف ہیں لہٰذا قابلِ اعتماد نہیں"[3]

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہم علیٰ وجہ البصیرت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام، موت وحیات سے متعلق فطری قوانین کی رو سے اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد وادیٔ موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ ہٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب!

[1] بحوالہ سوہاروی: قصص النبیین ۱/۳۴۵، البدایۃ والنہایہ ۱/۳۲۵ [2] الاصابۃ ۱/۴۴۳ نیز فتح الباری ۶/۴۳۵

[3] بحوالہ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ۱/۳۳۴

مقالات

پروفیسر حافظ محمد ایوب (انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور)

دوسری قسط

اِسلام میں غُلامی کا تصوّر

اسلام کی آمد:

دُنیا میں غلاموں کی یہ دلخراش اور اندوہناک صورتِ حال تھی، جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ اس نے اپنی ضیاء پاشیوں سے جہاں انسانیت کے ہر گوشے اور ہر پہلو کو منوّر کیا، وہاں وہ انسانیت کی اس تذلیل کو بھی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے دکھی اور مختلف طبقات میں بٹی ہوئی انسانیت کو یہ درس دیا کہ تم سب لوگ آقا و غلام، کالے اور گورے، عربی اور عجمی، ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہو۔۔۔ بحیثیتِ انسان تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہر شخص، خواہ وہ کسی بھی طبقے سے منسلق ہو، کسی بھی علاقے کا رہنے والا اور کسی بھی رنگ و نسل کا حامل ہو، اللہ کے ہاں صرف اپنی نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر برا اور بھلا ہو سکتا ہے:

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ" (الحجرات: ۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلَى الْاَسْوَدِ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلَى الْاَحْمَرِ اِلَّا بِالتَّقْوٰى"

کہ "کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں، نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر، نہ سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ ہی سیاہ فام کو سفید فام پر۔ ہاں اگر فضیلت ہے تو وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔"

اسلام نے تمام آقاؤں اور غلاموں کو یہ درس دیا کہ وہ سب ایک ہی جماعت کے

افراد ہیں۔ اور اگر کوئی فضیلت کسی کو کسی دوسرے پر حاصل ہے، تو اس کی بنیاد آقائی کا منصب نہیں بلکہ تقوٰی اور خشیتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ قبائل، آباء و اجداد اور خاندانوں کی بنیاد پر فخر و غرور جاہلیت کی علامت ہے، جسے ترک کر دینا چاہیئے ــــ سبھی انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی میں سے تھے :

"اَنْتُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"

(ابو داؤد، باب التفاخر بالاحساب)

غلاموں پر رحمت و شفقت :

اسلام غلاموں پر ابرِ رحمت بن کر برسا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالتِ زار دیکھ کر آقاؤں کو ان کے متعلق یہ نصیحت فرمائی کہ یہ تمہارے بھائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے قبضے میں دے دیا ہے، ان سے بھائیوں جیسا ہی سلوک کرو ــــ جو خود کھاؤ، ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنو، ان کو بھی پہناؤ۔ علاوہ ازیں اگر انہیں کوئی سخت کام کرنا پڑے تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

دنیائے غلامی میں رحمۃ للعالمینؐ کی یہ پہلی آواز تھی، جسے دنیا نے سنا تو انگشت بدنداں رہ گئی۔ اور غلاموں نے سنا تو پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ ہم بھی انسان ہیں ــــ پھر کیا تھا، وہ لوگ جو حیوانوں سے بھی بدتر سمجھے جاتے تھے اور ان کے آقاؤں کے جانوروں کی خوراک بھی ان انسانوں سے بہتر ہوا کرتی تھی، یہی جانور نما انسان اپنے پورے حقوق کے ساتھ آقاؤں کے دستر خوان پر ان کے ساتھ بیٹھنا شروع ہو گئے۔

غلاموں کی عزّتِ نفس کا تحفّظ :

اسلام نے صرف کھانے، پینے اور پہننے کی حد تک ہی غلاموں کی اصلاح پر اکتفاء نہیں کی، بلکہ انسان کی سب سے زیادہ قیمتی چیز "عزتِ نفس" کے سلسلہ میں بھی ان کو تحفظ بخشا۔ چنانچہ ان تمام الفاظ کے استعمال سے یکسر منع فرما دیا کہ جن سے فخر و غرور کی بُو آتی تھی۔ اعلان کیا کہ دیکھو، آج کے بعد کوئی بھی مسلمان اپنے ان بھائیوں کو "عَبْدِیْ" (میرا غلام) یا "اَمَتِیْ" (میری باندی) کہہ کر نہ پکارے۔ اسی طرح غلام اور باندی کو اپنے

آقا کے لیے "سیدی"، یا "سیدتی" کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ کیونکہ رب تو اللہ ہے، جو سب کا مالک ہے۔

ان الفاظ کے بدل دینے سے ہی ہمارے سامنے اسلام کے تصورِ غلامی کا نقشہ کھچ جاتا ہے کہ اسلام کو ایسے متکبرانہ الفاظ سے ہی چڑ ہے ۔۔۔ چنانچہ اسلام میں ایک آقا اپنے غلام کی ملکیت کا حقدار تو ہے، لیکن اس کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے کا اسے حق حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غلامی کے سلسلہ میں اسلام کی ان اصلاحات کی بدولت غلاموں کی ذلّت اور مسکنت کا تصور ہی یکسر بدل کر رہ گیا اور دلوں میں ان کی عزت اور احترام کا جذبہ اجاگر ہوا۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ بھی حضرت بلالؓ کو "سیدنا بلال" کہہ کر پکارا کرتے تھے، اور سلمان فارسیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیرِ خاص تھے۔

حضرت عمرؓ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین سے فرماتے، "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں عار ہے!" ۔۔۔ غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیق کرتے رہتے۔ آپؓ نے ایک عامل کو صرف اس بنیاد پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی[1] اور دو چار نہیں اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے تاریخ اسلام مزین ہے۔ حتیٰ کہ یورپ کے متعصب ترین مصنفین بھی غلامی کے سلسلہ میں اسلام کی ان اصلاحی کوششوں کا انکار نہیں کر سکے۔

جان کا تحفظ:

جیسا کہ شروع میں ہم لکھ آئے ہیں، غلاموں کو اپنی زندگی پر کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ مالک جب چاہے اسے کڑی سے کڑی سزا دے، حتیٰ کہ اسے جان سے بھی مار دے، کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا کہ یہ حق اسے قانون نے دیا تھا۔ لیکن اسلام میں غلام کی جان بھی اسی طرح محترم ہے، جس طرح کہ آزاد انسان کی۔ حضرت سمرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ

---

[1] تاریخ اسلام شاہ معین الدین ص ۲۰۹

جَدَعْنَاهُ ۔" (ابوداؤد، کِتَابُ الدِّیَاتِ بَابُ مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ)

کہ"جس نے اپنے غلام کو قتل کیا، ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اور جس نے اپنے غلام کے ناک کان کاٹے ہم اسکے ناک کان کاٹ دیں گے۔"

ابوداؤد ہی کی ایک دوسری روایت یوں ہے کہ:

"مَنْ خَصٰی عَبْدَہٗ خَصَیْنَاهُ ۔" (اَیْضًا)

"جس نے اپنے غلام کو خصی کیا، ہم اسے خصی کر دیں گے۔"

کیونکہ جاہلیت میں ایسے واقعات اکثر پیش آتے تھے۔ قدیم قوموں میں اس کا رواج تھا۔ "الرق فی الاسلام" میں ہے کہ غلاموں کو خصی کرنے کی رسم بد بہت پرانی تھی۔ اشوری، بابلی اور قدیم مصری قوموں میں اس کا رواج عام تھا۔ انہی لوگوں سے یونانیوں نے اس رسم کو اختیار کیا (صفحہ ۱۸۰)

اس کا مقصد یہ تھا کہ غلام زنانخانوں میں بے دھڑک آجا سکیں اور عورتوں کو ان سے اندیشہ نہ ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس روتا چیختا ہوا آیا۔ آپؐ نے پوچھا، کیا بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا، اللہ کے رسولؐ، میرے مالک کی ایک باندی ہے۔ میں نے اسے دیکھ لیا تو مالک نے میرا ذکر کٹوا دیا ہے۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: "جا تو آزاد ہے!" (ابوداؤد، بَابُ مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ)

چہرے پر مارنے سے روک دیا:

غلام کی انسانیت اور شرافت بحیثیت انسان اپنی جگہ مسلّم اور قائم ہے۔ غلامی کا یہ مطلب نہیں کہ وہ درجۂ انسانیت ہی سے گر گیا اور انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ہاں حالات اور قسمت نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنے جیسے انسان کی ملکیت میں ہے۔ تاہم اس کی انسانی شرافت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے حکم دیا کہ کوئی مالک اپنے غلام کے منہ پر چانٹا نہ مارے۔ آپؐ نے فرمایا:

"مَنْ لَطَمَ مَمْلُوکَہٗ اَوْ ضَرَبَہٗ فَکَفَّارَتُہٗ اَنْ یُّعْتِقَہٗ ۔"

(مسند احمد)

کہ"جس نے اپنے غلام کے منہ پر چانٹا مارا یا اسے مارا پیٹا تو اس کا کفارہ

یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے ۔"

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں، ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اللہ کے رسولؐ، ہم غلام کے غلطی کرنے پر اس سے کتنی مرتبہ درگزر کریں ؟ یہ سن کر آپؐ خاموش رہے، اس شخص نے دوبارہ پوچھا، پھر بھی آپؐ خاموش رہے تیسری مرتبہ اس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا :

" اُعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً " (ابوداؤد)

"اس سے ہر روز ستّر مرتبہ بھی درگزر کرنی پڑے تو) درگزر کرو ۔"

ان باتوں کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ غلاموں کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا ۔ انہیں الٹا لٹا کر ساتھ وزن باندھ دیا جاتا ۔ حتیٰ کہ بعض کا اسی حالت میں جسم و روح کا رشتہ ہی منقطع ہو جاتا ۔

گواہی کا حق :

شہادت (گواہی) کا معاملہ اسلام میں بہت اہم اور نازک ہے ۔ گواہی وہی لوگ دے سکتے ہیں، جو معاشرے اور دین دونوں کی نظر میں اپنے اخلاق، صفات اور دینداری کی وجہ سے قابلِ اعتبار ہوں ۔ کسی کی شہادت کا قبول کیا جانا اس شخص کی معاشرتی حیثیت کو متعین کرتا ہے ۔ اسلام سے پہلے چونکہ غلام ایک حقیر مخلوق تصور کی جاتی تھی، لہٰذا کسی قوم نے ان کو گواہی کا حق نہیں دیا تھا ۔ اسلام میں بھی اگرچہ اصولِ شہادت بہت سخت ہیں، لیکن اس کے باوجود غلام کی گواہی قابلِ قبول ہے، جبکہ وہ اسلامی شرائط پر پورا اترتا ہو ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے تاریخِ اسلامی میں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جس نے غلام کی گواہی کو رد کر دیا ہو : " مَا عَلِمْتُ اَحَدًا رَدَّ شَهَادَةَ الْعَبْدِ ۔" [1]

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں، شارع علیہ السلام کی طرف سے ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا، جس میں فرمایا گیا ہو کہ غلاموں کی گواہی قابلِ قبول نہیں ۔ اس کے برعکس کتاب اور سنّتِ رسولؐ اللہ اور اجماع صحابہؓ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ غلام کی شہادت ان تمام امور

---

[1] بخاری ۔ شَهَادَةُ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيْدِ ۔

میں قابلِ قبول ہے، جن میں ایک آزاد آدمی شہادت دے سکتا ہے [۱]

غلاموں کو شادی کا حق دیا:

غلاموں کے بارے میں اسلام کا اس سے بڑا احسان اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہیں نکاح کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ قرآنِ مجید نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کریں، اور اس نکاح میں آزاد اور غلام کا کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ اگر آزاد عورت غلام سے، یا لونڈی آزاد مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اسے مکمل آزادی ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے:

"وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ"

(النور: ۳۲)

"مسلمانو، تم اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔"

جبکہ سابقہ قومیں خصوصاً رومن اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے تھے [۲]

خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے کر دیا۔ لیکن بعض نفسیاتی اور خاندانی برتری کے احساسات کے باعث نباہ نہ ہو سکا اور دو سال کے بعد طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے خود نکاح کر لیا۔ اسلام میں تو یہاں تک اجازت ہے کہ آزاد کی طرح غلام بھی چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ امام مالکؒ اس کا استدلال "فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ" سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک یہ اچھا عمل ہے۔" [۳]

غلاموں سے حسنِ معاشرت:

اسلام میں غلام، احساسِ کمتری سے نکل کر ایک آزاد شہری کی طرح سوچتے، بولتے یہاں

۱؎ القیاس فی شرح الاسلامی ص ۱۲۸

۲؎ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس

۳؎ موطا، بَابُ نِكَاحِ الْعَبْدِ

تک کہ اپنے آقاؤں کو مشورے بھی دیتے تھے۔ اور اسلام نے فکری اور قولی آزادی کی جس نعمت سے دنیا کو نوازا ہے، غلام بھی اس نعمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ نتیجتاً وہ اپنے آقاؤں کی بعض بُری عادات پر نکتہ چینی کرتے اور انہیں نصیحتیں بھی کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ" [1]

"جو غلام اپنے آقا کو نصیحت کرتا اور خود بھی اللہ کی عبادت اچھے طریقہ سے کرتا ہے، اسے دوہرا اجر ملے گا۔"

اس حدیث سے آپ غلاموں کی ذہنی آزادی اور مسلمانوں کی غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک ایسا تھا کہ لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمدؐ کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر کے لوگ ان کو لینے کے لیے مدینہ منورہ آئے تو آپؐ نے فرمایا، بڑے شوق سے اسے لے جایئے، میں کوئی فدیہ لینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جانے سے انکار کر دیا ـــــ آخر کس چیز نے انہیں اپنے والدین، بہن بھائیوں، اور قبیلہ سے علیحدہ رہنے پر مجبور کیا؟ کیا وہ حضور علیہ السلام کا آپؐ کے ساتھ بیٹوں جیسا پیار نہ تھا؟

اسلام نے غلاموں اور باندیوں کی تعلیم و تربیت پر بھی بہت زیادہ زور دیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"تین ایسے شخص ہیں جن کو دو بڑے اجر ملیں گے۔ ایک وہ شخص جو اپنی باندی کو اچھی تعلیم دے اور بہترین ادب سکھانے کے بعد آزاد کر کے نکاح میں لے آئے۔ دوسرا وہ شخص جو اہل کتاب تھا اور ایمان لے آئے۔ تیسرا وہ شخص جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے سید کی خیر خواہی بھی کرتا ہے۔" [2]

---

[1] بخاری، بَابُ إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ

[2] صحیح بخاری، بَابُ فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ۔

انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ ابتدائے اسلام میں بڑی بڑی برگزیدہ ہستیوں نے آزاد کردہ باندیوں سے شادیاں کیں اور ان کے بطن سے ان مقدس ہستیوں نے جنم لیا جن کی خدمات اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اور وہ لوگ مسلمانوں کے امام، راہنما، اور بڑی بڑی سلطنتوں کے حاکم اور لشکروں کے سپہ سالار تک مقرر کئے گئے۔

غلام اور غلام زادے، اُمت کے سرخیل :

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابو حذیفہؓ کے غلام سالمؓ، نماز کی امامت کرواتے تھے، اور آپؓ کی اقتداء میں اکابر مہاجرین، جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، ابو سلمہؓ اور عامر بن ربیعہؓ جیسی ہستیاں شامل ہیں، نماز ادا کیا کرتی تھیں[1]

یہ وہی سالمؓ ہیں، جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ سلطنتِ اسلامیہ کا جھنڈا پوری آدھی دنیا پر لہرا رہا تھا۔

مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں :

"قانون سے زیادہ اسلامی سوسائٹی نے ان کو اپنے اندر عملاً مساوات کا درجہ دیا ہے۔ اجتماعی زندگی میں غلاموں کی حیثیت کسی طرح بھی آزادوں سے کم نہ تھی۔ علم سیاست، مذہب، معاشرت غرض ہر شعبہ میں ان کے لیے ترقی کی تمام راہیں کھلی ہوئی تھیں، اور غلام ہونا ان کے لیے کسی حیثیت سے بھی رکاوٹ کا باعث نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن سیّدہ زینبؓ کو، جنہیں بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے بیاہ دیا۔ امام حسینؓ کا نکاح ایران کی ایک شہزادی سے ہوا، جو جنگ میں لونڈی بن کر آئی تھیں۔ امام زین العابدینؒ انہی لونڈی کے بطن سے تھے، جن کی اولاد اشرافِ اسلام میں سب سے زیادہ بالاتر درجہ رکھتی ہے۔ سالم بن عبد اللہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر، جو فقہائے تابعین

---

[1] صحیح بخاری، بَابُ اسْتِقْصَاءِ الْمَوَالِي وَاسْتِعْمَالِهِمْ "

کی اولین صف میں ہیں، دو لونڈیوں کے پیٹ سے تھے۔ امام حسن بصریؒ جو ائمۂ تابعین کے سرخیل اور اصحابِ طریقت کے پیشوا ہیں، ایک غلام کے بیٹے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ جو کروڑوں مسلمانوں کے مقتدا ہیں، بنی تیم اللہ کے موالی میں سے بتائے جاتے ہیں۔

مشہور محدث محمد بن سیرینؒ، جن کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے، غلام کے بیٹے تھے۔ ان کے باپ سیرین اور ماں صفیہ دونوں مملوک تھے۔ مگر اس درجہ کے مملوک کہ حضرت صفیہ کو تین امہات المومنینؓ نے دلہن بنایا تھا اور سیرین سے ان کا نکاح حضرت ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے پڑھایا تھا۔

امام مالکؒ کے استاد نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام تھے۔ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک، جن کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، ایک غلام مبارک نامی کے بیٹے تھے۔

عکرمہؒ، جو ائمہ مفسرین میں سے ہیں، خود غلام تھے۔ محمد بن اسحاقؒ مشہور صاحبِ سیرۃ کے دادا یسار معرکہ عین التمر سے پکڑے ہوئے آئے تھے۔

مکہ کے امام المحدثین عطاءؒ بن رباح، یمن کے امام طاؤس بن کیسانؒ، مصر کے امام یزید بن حبیبؒ، شام کے امام مکحولؒ، الجزیرۃ کے امام میمونؒ بن مہران، خراسان کے امام ضحاکؒ، کوفہ کے امام ابراہیم نخعیؒ سب کے سب غلاموں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔"[1]

سلمان فارسیؓ غلام تھے، جنہیں حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: "سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ" "سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہیں"، بلالؓ حبشی غلام تھے، جن کو حضرت عمرؓ "بِلَالٌ سَیِّدُنَا وَ مَوْلٰی سَیِّدِنَا" "بلال ہمارے آقاؐ کے غلام اور ہمارے آقا ہیں"، صہیبؓ رومی غلام تھے، جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ مسلمانوں کی امامت کے لیے چن لیا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ تو قرونِ اولیٰ کی باتیں ہیں۔ بعد میں جبکہ اسلامی روح بہت کمزور پڑ گئی تھی

[1] الجہاد فی الاسلام۔ سید مودودی ص ۲۶۱

قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن جیسے جلیل القدر غلاموں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ محمود غزنوی، جو دنیا کا عظیم فاتح تھا، نسلاً ترکی غلام تھا۔

ان غلاموں کو کون غلام کہہ سکتا ہے؟ کیا آزادوں کے لیے ان سے کچھ زیادہ ترقی، عزت اور اقتدار حاصل کرنے کے مواقع تھے"؟ [1]

سید امیر علی کہتے ہیں کہ:

"It is simply a BUse of words to apply the word " slavery" in the English Sense, to any status known to the legislation of Islam." [2]

یعنی اسلامی قانون و معاشرت میں انگریزی کی اصطلاح "غلامی" کا کہیں بھی وجود نہیں۔ بلکہ الفاظ کی زبان میں بدگالی ہے جو اسلام کو دی جاتی ہے۔

سید امیر علی ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

" وہ غلامی، جو اسلام نے جائز رکھی ہے، درحقیقت اُس غلامی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی جو ہمارے زمانہ تک عیسائیت میں روا رکھی جاتی رہی ہے۔ اور نہ ہی اس کو اُس غلامی کے ساتھ کوئی علاقہ ہے جو امریکہ میں ۱۹۶۵ء کی مقدس جنگ تک رائج رہی"

ان کے الفاظ یہ ہیں:

'The slavery which was allowed in Islam had in fact, nothing in common with that which was in vogue in Christendom until recent times, or with American slavery until the Holy War of 1965 put on end to that curse.' [3]

مستشرقین کا اعتراف: یورپ کے بے شمار مصنفین یہ بات لکھنے پر مجبور

---

[1] الجہاد فی الاسلام۔ سید مودودی ص ۲۶۲

[2] Spirit of Islam P-263

[3] Spirit of Islam P-264.

ہوئے کہ اسلام نے اس پسے ہوئے طبقے کو کس طرح اٹھا کر عزت و احترام کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ان تمام تفرقوں اور مظالم کی زنجیروں کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ فالیری کہتا ہے کہ:

"اسلام کے دشمنوں نے اس بات کا ارادہ کیا ہے کہ غلامی کے رواج کو باقی رکھنے کی بناء پر اسلام کو نشانۂ ملامت بنائیں۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں جتنی مراعات غلاموں کے لیے ہیں، وہ ان مراعات سے بدرجہا زیادہ ہیں جو یورپ میں غلاموں کے لیے ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ مشرق میں جو غلامی قائم ہے، اس کو تو اُس غلامی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں، جو امریکہ میں پائی جاتی ہے۔"

اس کے بعد فالیری نبی علیہ السلام کی درج ذیل حدیث نقل کرتا ہے:

"کوئی شخص اپنے غلام کو غلام اور اپنی باندی کو باندی کہہ کر نہ پکارے"

پھر وہ لکھتا ہے کہ:

"اس سے بہتر انسانیت کونسی ہو سکتی ہے؟"[1]

موسیو گستاؤ لیبان اپنی کتاب "تمدنِ عرب" میں لکھتا ہے کہ:

"غلامی کا لفظ جب اُس یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے، جو امریکن ناولوں اور روایتوں کے پڑھنے کا عادی ہے، اور جن کا سلسلہ تیس سال سے جاری ہے تو اس کے ذہن میں فوراً ان غریبوں کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہوں اور ان پر کوڑے برسائے جا رہے ہوں، پھر ان بیچاروں کو بقائے حیات کے لیے کافی غذا نہ ملتی ہو۔ اور رہنے کے لیے تنگ و تاریک کوٹھڑیاں نصیب ہوتی ہوں — مجھے اس سے بحث نہیں کہ یورپ میں جو غلام ہیں ان میں یہ تمام باتیں صادق آتی ہیں یا نہیں؟ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسلام میں جو غلاموں کا تصور ہے وہ عیسائیوں کے غلاموں سے مختلف ہے۔"[2]

---

[1] الرق فی الاسلام ص ۲۰۹

[2] الرق فی الاسلام بحوالہ دائرۃ المعارف فرید وجدی ص ۲۰۹

مسٹر جوزف تھامپسن، "لندن ٹائمز" میں (مورخہ ۱۴ نومبر ۱۸۸۶ء کو) ایک خط "مشرقی افریقہ میں غلامی" کے عنوان سے یوں لکھتا ہے:

"جتنا تجربہ مشرقی افریقہ کے بارے میں میرا ہے، آپ کے کسی نامہ نگار کو نہیں۔ اگر یہاں غلاموں کی تجارت کا بازار گرم ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کا پروپیگنڈہ نہیں ہوا۔ اور میرے پاس یقین کرنے کے قوی اسباب ہیں کہ اگر یہاں اسلام روشناس کرایا جاتا تو بردہ فروشی کا کبھی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔"[1]

ایک نہیں، ایسی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ عہدِ اسلامی میں غلام غلام نہیں بلکہ برابر کے حقوق کا مالک تھا۔ اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم، جب مصر میں داخل ہوتے ہیں، تو آپؓ کا غلام اونٹ پر سوار تھا اور آپؓ خود پیدل چل رہے تھے؟

(جاری ہے)

---

[1] الرق فی الاسلام بحوالہ دائرۃ المعارف فرید وجدی ص ۲۱۳

استدراک:

گزشتہ شمارہ محدث جلد ۱۷ عدد ۱-۲ صفحہ ۱۲ سطر ۱۴ میں "بشرطیکہ لڑکی ......" کے الفاظ کے ساتھ "بلوغت کے بعد" کے الفاظ شامل کر لیے جائیں۔

اب عبارت یوں ہو گی:

"بشرطیکہ لڑکی بلوغت کے بعد اس نکاح پر رضامندی کا اظہار کر دے"

نیز صفحہ ۱۳ سطر ۸-۹ کی عبارت "اگر لڑکی راضی نہ ہو تو صغر سنی کا نکاح درست ہو گا" میں "نہ" زائد ہے۔ صحیح عبارت یوں ہو گی:

"اگر لڑکی راضی ہو تو صغر سنی کا نکاح درست ہو گا۔" (قارئین کرام تصحیح فرما لیں!)

تہذیب اخلاق

زاہد احمد۔ ایم اے علوم اسلامیہ
لیکچرار علامہ اقبال گورنمنٹ کالج سیالکوٹ

فریضۂ تبلیغ

معنیٰ و مفہوم :

تبلیغ کے لغوی معنیٰ ہیں پہنچانا۔ اصطلاح میں اس سے مراد بھلائی اور نیکی کی باتیں نیز دین کے احکام لوگوں تک پہنچانا ہے۔

سید سلیمان ندوی تبلیغ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"تبلیغ کے لفظی معنیٰ پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔" (سیرت النبیؐ جلد چہارم)

یہ تبلیغ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے ہوتی ہے۔

غیر مسلم کو تبلیغ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول و احکام، وضاحت سے پیش کرکے اسے غور و فکر کی دعوت دی جائے، تاکہ وہ اسلام کی حقانیت تسلیم کرکے حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔

مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں جو بدعملی اور فسق و فجور پیدا ہو چکا ہو، اسلام کے احکام کی یاد دہانی کرا کر اسے ترغیب و ترہیب سے ختم کیا جائے۔

قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنیٰ چند اور الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، مثلاً :

۱۔ اِنْذار : اس کے معنی ہوشیار کرنے، آگاہ کرنے اور ہدایت کرنے کے ہیں۔
۲۔ دَعْوت : اس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں۔
۳۔ تَذْکِیر : اس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں۔

اسلام میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت :

دینِ اسلام نے دعوت و تبلیغ کو نہ صرف بہت زیادہ اہمیت دی اور اس کے لیے کھلے احکام دیئے ہیں، بلکہ داعیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں اس کی عملی مثالیں بھی پیش فرمائی ہیں۔ چنانچہ انجانوں کو ہوشیار اور بے خبروں کو آگاہ کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے وحی میں حکم ہوا :

"یَاۤ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ" (المدثر : ۱-۲)

"اے کپڑا اوڑھنے والے، اُٹھئے اور (لوگوں کو) ہدایت کیجئے!"

پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ :

"یَاۤ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔" (المائدۃ : ۶۷)

"اے رسول ﷺ، جو کچھ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اسے (لوگوں تک) پہنچائیے!"

نیز فرمایا :

"فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ ۔" (الشورٰی : ۱۵)

"(اے نبی ﷺ) اسی (دین کی) طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیئے اور جیسا آپ ﷺ کو حکم ہوا ہے (اس پر) قائم رہیئے!"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا :

"فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ۔" (الاعلٰی : ۹)

"سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت کرتے رہیے!"

سورۃ ذاریات میں فرمایا :

"وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔" (الذاریات : ۵۵)

"اور نصیحت کرتے رہیے کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے!"

سورۂ قٓ میں ارشاد ہوا :

"فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ۔" (قٓ : ۴۵)

"پس جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے، اسے قرآن مجید سے نصیحت کرتے رہیے!"

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے، اس لیے یہ فریضہ آپؐ کے بعد اب اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو سونپ دیا گیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ الآیۃ" (آلِ عمران: ۱۱۰)

"تم بہترین اُمت ہو، جسے لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

اس آیت میں اُمتِ مسلمہ کو اس لیے بہترین قرار دیا گیا ہے کہ یہ اُمت لوگوں کو نیک کام کرنے کی تلقین کرتی، انہیں راہِ راست پر لاتی اور انہیں برائی و بدکاری سے روکتی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (آل عمران: ۱۰۴)

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں!"

اس آیت کی رُو سے مسلمانوں پر تبلیغ کرنا فرض ہے!

سورۃ العصر میں اسی فریضۂ تبلیغ کی ترغیب یوں دلائی گئی ہے:

"وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

"قسم ہے زمانے کی، یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے!"

یہاں واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ محض خود نیک بننے سے اسلام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا، جب تک دوسروں کو بھی نیک بنانے کی کوشش نہ کی جائے اور برائی کا خاتمہ نہ کیا جائے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی تبلیغ کی بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے۔
چنانچہ حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"فواللہ لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر من ان یکون لک حمر النعم" (صحیح مسلم مع نووی جزء ۵ ص۱۸۶)

"بخدا، تمہاری وجہ سے کسی ایک آدمی کا بھی ہدایت پا جانا تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے!"

"من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان" (مشکوٰۃ ج ۲ ص۴۳۶ بحوالہ مسلم عن ابی سعید الخدریؓ)

"تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے، اسے چاہیئے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم دل سے ہی اسے برا جانے (تاہم یہ آخری صورت) کمزور ترین ایمان کی نشانی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

"بلغوا عنی ولو آیۃ" (مشکوٰۃ ج ۱ ص۳۲ بحوالہ بخاری)

"میری تعلیم کو آگے پہنچاؤ، چاہے وہ ایک آیت ہی ہو۔"

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"فلیبلغ الشاھد الغائب" (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۷۸)

"جو شخص موجود ہے وہ اس تک پہنچا دے، جو موجود نہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"واللہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتأخذن علی یدی الظالم ولتأطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کما لعنھم" (مشکوٰۃ ج ۱ ص۴۳۸ باب الامر بالمعروف)

یعنی تم نیکی کے حکم اور برائی کے انسداد سے ہرگز نہ رکنا حتیٰ کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف جھکاد

ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا اور ضرور تم پر لعنت کرے گا جس طرح اس نے اِن بداعمال لوگوں پر لعنت کی ہے!

تبلیغ کے ترک کرنے پر بہت سی احادیث میں وعید بھی آئی ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

"عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا" (مشکوٰۃ ج ا ص۴۳۷ بحوالہ ابوداؤد)

"کسی جماعت میں کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت یا قوم باوجود طاقت اور اختیار کے اس شخص کو گناہ سے نہیں روکتی تو اس (جماعت یا قوم) پر مرنے سے پہلے دنیا میں ہی اللہ کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔"

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو، پھر وہ وقت آئے کہ تم دعا کرو تو وہ قبول نہ ہو اور تم سوال کرو تو سوال پورا نہ کیا جائے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ" (مشکوٰۃ ج ا ص۴۳۶ بحوالہ ترمذی)

ان احادیث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اور مسلمانوں کو کس قدر اس کی تاکید کی گئی ہے، پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دین کی سربلندی، عوام کی بھلائی، نیکی کی اشاعت، برائیوں کے خاتمے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ معاشرے کو بدکاریوں اور فحاشیوں سے پاک کرنے کے لیے تبلیغ ازبس ضروری ہے۔ ان احادیث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فریضۂ تبلیغ

سے غفلت، پستی و ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

تبلیغ کے اصول:

یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیئے، قرآنِ مجید نے انتہائی مختصر الفاظ میں لیکن بڑی جامعیت سے بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ الاٰیۃ" (النحل: ۱۲۵)

"(اے پیغمبرؐ) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے بہت ہی اچھے طریقہ سے مناظرہ کیجیئے۔"

اس آیت میں مسلمانوں کو تبلیغ و دعوت کے تین اصول سکھائے گئے ہیں:

(۱) دانش و حکمت (۲) عمدہ نصیحت (۳) مناظرہ بطریقِ احسن

۱۔ دانش و حکمت:

مبلّغ کا کام صرف ایک پیغام اور کلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں، بلکہ حکمت و تدبر سے مناسب ماحول دیکھ کر اسے ایسے انداز میں لوگوں تک پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لیے اسے قبول کرنا آسان ہو جائے۔ مطلب یہ کہ وہ ہدایت کا پیغام دلائل و براہین کی روشنی میں ایسے حکیمانہ انداز سے پیش کرے کہ سننے والا گردن جھکا دے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے، جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔" (تفہیم القرآن، جلد دوم)

۲۔ عمدہ نصیحت:

موعظت کے معنی نصیحت کے ہوتے ہیں۔ اصطلاح میں ہمدردی اور خیر خواہی کے

ساتھ کسی کو نیک کام کی طرف بلانا موعظت کہا جاتا ہے۔ "موعظت" کے ساتھ "حسنہ" کی قید بھی لگادی گئی تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نصیحت نرم اور دلنشین انداز میں ہو۔ بعض اوقات خاص ہمدردی اور خیر خواہی سے کسی کو بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے مگر لب ولہجہ دل خراش ہوتا ہے، تو دعوت مؤثر نہیں ہوتی۔ لہٰذا "موعظت" کے ساتھ "حسنہ" کی قید، تبلیغ کا دوسرا اہم اصول ہے۔

مولانا مودودی مرحوم وضاحت فرماتے ہیں:

> "عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے، بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے، اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے، بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے، اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔" (تفہیم القرآن، جلد دوم)

۳۔ مناظرہ بطریقِ احسن:

اگر پہلے دو اصول کارگر نہ ہوں اور نوبت مناظرہ اور مجادلہ تک پہنچ جائے تو مناظرہ اچھے طریقہ پر ہونا چاہیئے۔ اس مناظرہ میں بھی نرمی، خیر خواہی اور حسنِ خطاب کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس میں غصہ اتارنا پیشِ نظر نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کلمۂ حق بلند کرنا مقصود ہو۔ اس مباحثے کی اولین شرط یہ ہے کہ اچھے اور سلجھے ہوئے طریقے پر ہو اور مخاطب کے دلائل کی تردید بڑے منطقی انداز میں ہو تاکہ اس سے ضد اور ہٹ دھرمی

پیدا نہ ہو۔

مولانا موصوف مناظرہ بطریقِ احسن کی وضاحت کرتے ہوئے یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں :

"مبلغ کی نوعیت محض مناظرہ بازی اور عقلی کُشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں، الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریفِ مقابل کو چپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو، بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو۔ اعلیٰ درجہ کا شریفانہ اخلاق ہو، معقول اور دل لگنے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پَچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے، سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دُور نہ نکل جائے۔" (تفہیم القرآن، جلد دوم)

تبلیغ کے طریقے

تبلیغ درج ذیل تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے :

۱۔ قولی تبلیغ :

قولی تبلیغ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو زبان سے دین کی سربلندی کے لیے بھلائی کی دعوت دی جائے، نیکی کا حکم کیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔

۲۔ قلمی تبلیغ :

اس سے مراد یہ ہے کہ دینی لٹریچر عام کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے پمفلٹ اور کتابیں شائع کی جائیں اور دینی رسائل و جرائد کا اجراء کیا جائے، جن کے ذریعہ دین کی صحیح باتیں عوام الناس تک پہنچ جائیں۔

٭

۳۔ عملی تبلیغ: عملی تبلیغ سے مراد یہ ہے کہ دینِ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اپنے کردار کو ایسا بنا کر پیش کیا جائے کہ دوسرے لوگ بھی دیکھ کر اسی کی طرح کے نیک اعمال کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مبلغ، لوگوں کو جس بات کی دعوت دیتا ہو، خود بھی اس پر عمل پیرا ہو۔

(جاری ہے)

شعر و ادب

جناب عبدالرحمٰن عاجزؔ

ہائے ایسی کسی انساں کی تقدیر نہ ہو

جس میں دلداری و دلسوزی و تاثیر نہ ہو
اس سے بہتر ہے کہ ایسی کوئی تقریر نہ ہو

شعلہ افروز اگر حسرتِ دلگیر نہ ہو
نالے میں سوز نہ ہو، آہ میں تاثیر نہ ہو!

کوچۂ شوق میں تو شکوۂ تذلیل نہ کر
یہی تذلیل کہیں باعثِ توقیر نہ ہو

ہے ترے عفو و کرم پر مری بخشش کا مدار
یہ تو ممکن نہیں، مجھ سے کوئی تقصیر نہ ہو

برق رفتارئ ہستی کا تقاضا ہے یہی
نیک اعمال میں دم بھر کی بھی تاخیر نہ ہو

جب کسی حال کو حاصل نہیں دنیا میں دوام
پھر تو دنیا میں کسی حال میں دلگیر نہ ہو

قیس اُڑتا ہوا پھرتا ہے بگولے کی طرح
اس قدر بھی کسی انسان کی تشہیر نہ ہو!

اک قدم بھی رہِ ایماں پہ نہ چلنے آئے
گر ترے پاؤں میں اسلام کی زنجیر نہ ہو

پھر یہ انسان زمانے کا خدا بن بیٹھے
اس کی قسمت میں جو ناکامئ تدبیر نہ ہو

وسعتِ کون و مکاں تنگ ہے جس کے آگے
وہ کسی نقطۂ دل کی کوئی تفسیر نہ ہو!

قطرۂ آبِ وضو پھیل کے دریا بن جائے
فائدہ کیا ہے اگر روح کی تطہیر نہ ہو

نیک انسان ہے، دنیا میں وہ جس کے دل میں
کسی انساں کے لیے جذبۂ تحقیر نہ ہو

دولتِ دیں سے تہی دست نہ ہو جائے کوئی
ہائے ایسی کسی انساں کی تقدیر نہ ہو!

زندگانی رہِ عشرت میں نہ لٹ جائے تری
دیکھ ایسی کہیں تجھ سے کبھی تقصیر نہ ہو

شامِ عصیاں کی کبھی صبح نہ ہونے پائے
قلبِ انساں میں گر ایماں کی تنویر نہ ہو

اتنے تاریک خد و خال ہیں جس کے عاجزؔ
غور سے دیکھ کہیں تیری ہی تصویر نہ ہو

تحقیق و تنقید

جناب غازی عزیر
الخبر (المملكة العربية السعودية)

"أنا مدينة العلم وعلیؓ بابها" (حدیث)

ترجمہ:

"میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں"

اس مضمون کی روایات حضرات علیؓ، ابن عباسؓ اور جابرؓ سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں، جسے شیعہ حضرات خلیفۃ الرابع حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں اس مضمون کی تمام روایات اور اُن کے تمام طرق کا علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ مذکورہ حدیث کا مقام و مرتبہ واضح ہو جائے۔ واللہ المستعان!

بعض روایات میں صرف "أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا"[۱] مروی ہے اور بعض میں "أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" کے بعد "فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ"[۲] "فَمَنْ أَرَادَ بَابَهَا فَلْيَأْتِ عَلِيًّا"[۳] "فَمَنْ أَرَادَ مَدِيْنَةَ الْعِلْمِ فَلْيَأْتِهَا مِنْ بَابِهَا"[۴] "فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِهَا مِنْ قِبَلِ بَابِهَا"[۵]

۱؎ الكشف الحثيث عمن رمی بوضع الحديث للشيخ برہان الدين حلبیؒ ص ۵۳۹ طبع بغداد ۱۹۸۴ء ومجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمیؒ ج ۹ ص ۱۱۴ طبع دار الكتب العربی بیروت ۱۹۸۲ء ومیزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۲ ص ۱۵۲ وكتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۱ طبع المكتبۃ السلفیۃ مدینۃ المنورہ ۱۹۶۶ء ومستدرک للحاكمؒ كتاب المناقب وتاريخ بغداد للخطيب بغدادیؒ ومعجم الكبير للطبرانیؒ والسنہ لابی الشيخ ابن حبانؒ وغیرہ۔ ۲؎ كتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۰، ۳۵۱، ص ۳۵۳ ۳؎ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۱ ۴؎ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۲ ۵؎ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۲

"فَمَنْ اَرَادَ الدَّارَ فَلْيَأْتِهَا مِنْ قِبَلِ بَابِهَا"[6] "فَمَنْ اَرَادَ الدَّارَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ"[7] اور "فَمَنْ اَرَادَ الْحُكْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ"[8] کے اضافی الفاظ تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔

بعض دوسری روایات میں "اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا"[9] بعض میں "اَنَا مَدِيْنَةُ الْفِقْهِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا"[10] اور کچھ میں "عَلِيٌّ عَيْبَةُ عِلْمِي"[11] وغیرہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس مضمون کی چند اور روایات اس طرح بیان کی گئی ہیں:

"عَلِيٌّ بَابُ عِلْمِي وَمُبَيِّنٌ لِاُمَّتِي مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ مِنْ بَعْدِي حُبُّهٗ اِيْمَانٌ وَبُغْضُهٗ نِفَاقٌ وَالنَّظَرُ اِلَيْهِ رَأْفَةٌ"[12]، "اَنَا مِيْزَانُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ كَفَّتَاهُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ خُيُوْطُهٗ"[13]، "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَاَبُوْبَكْرٍ اَسَاسُهَا وَعُمَرُ حِيْطَانُهَا وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا وَعَلِيٌّ بَابُهَا"[14]" اور "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا وَمُعَاوِيَةُ حَلْقَتُهَا"[15]، وغیرہ۔

اس سلسلہ کی پہلی روایت "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، کا طریقِ اسناد امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی القرشیؒ (م ۵۹۷ھ) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَنْبَأَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ

---

[6] کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۵۲ [7] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۳ [8] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۳
[9] ایضاً ج ۱ ص ۳۴۹، ۳۵۰ وجامع الترمذیؒ کتاب المناقب باب ۲۰ رقم ۲۰ مع عارضۃ الاحوذی لابن عربیؒ ج ۱۳ ص ۱۷۱ ومفتاح کنوز السنۃ محمد فواد الباقی ص ۳۵۳ والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ للشوکانیؒ ص ۳۴۸ طبع مصر ۱۹۷۸ء والحلیۃ لابی نعیمؒ وغیرہ [10] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۰
[11] العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۲۲۳ طبع لاہور ۱۹۷۹ء [12] المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرہ علی الالسنۃ للسخاویؒ ص ۹۷ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۹ء
[13] ایضاً ص ۹۷ [14] ایضاً ص ۹۷ وذکرہ ابن صاحب الفردوسؒ [15] المقاصد الحسنہ للسخاویؒ ص ۹۷

اِبْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ رَزْقٍ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُكْرَمُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ مُكْرَمٍ اَلْقَاضِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَلْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْاَنْبَارِيُّ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوالصَّلْتِ عَبْدُالسَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ اِبْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ مَيْسَرَةَ الْهَرَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ ..... الخ" [16]

اس روایت کے طریقِ اسناد میں راوی "ابوالصلت الہروی" موجود ہے، جس کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ:

"کذّاب ہے، یہ وہی شخص ہے جس نے اس حدیث کو "ابو معاویہ" پر وضع کیا، بعد میں ایک جماعت نے اس سے چرالیا۔" [17]

ایک اور مقام پر امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

"ابوالصلت کے کذّاب ہونے پر اتفاق ہے۔" [18]

عقیلیؒ نے بھی اسے "کذاب" کہا ہے۔ [19]

شیخ برہان الدین حلبیؒ فرماتے ہیں:

"یہ شخص صالح لیکن شیعہ تھا، دار قطنیؒ کا قول ہے کہ خبیث رافضی تھا اور حدیث وضع کرنے کے لیے متہم ہے۔ اس کی روایت کی ہوئی دو احادیث یہ ہیں: "اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِالْقَلْبِ" اور "کَلْبُ الْعَلَوِیَّةِ خَیْرٌ مِّنْ بَنِیْ اُمَیَّةَ"۔" [20]

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"صَدُوْقٌ لَهُ مَنَاكِيْرُ وَكَانَ يَتَشَيَّعُ وَاَفْرَطَ الْعُقَيْلِيُّ فَقَالَ كَذَّابٌ۔" [21]

---

[16] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ صفحہ ۳۵۱ [17] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۲ [18] العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۲۲۱ [19] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۰۶ [20] الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث ص ۲۶۲-۲۶۳ [21] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۵۰۶

ابنِ عدیؒ وغیرہ نے بھی "ابو الصلت الہروی" سے کذب بیانی اور وضع احادیث کو منسوب کیا ہے۔ علامہ محمد ناصر الدین الالبانی فرماتے ہیں کہ اکثر اصحابِ حدیث نے اس کی تضعیف کی ہے[۲۲]۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جب اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:
"قَبَّحَ اللّٰهُ اَبَا الصَّلْتِ"[۲۳]

جن روایات میں "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" کے بعد "فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِ الْبَابَ" کے الفاظ بیان کیے جاتے ہیں اُن کے طرقِ اسناد امام ابن الجوزیؒ نے اس طرح بیان کیے ہیں:

۱- "اَنْبَأَنَا اَبُوْ مَنْصُوْرٍ الْقَزَّازُ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ اَنْبَأَنَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُظَفَّرِ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَابُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ الضَّرِيْرُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ[۲۴]...... الخ"

حضرت ابنِ عباسؓ کے اس طریقِ اسناد میں "عمر بن اسماعیل بن مجالد" اور "علی بن ابی علی" دو راوی مجروح ہیں۔ اول الذکر کے متعلق شیخ عبد العزیز عز الدین السیروان اور علامہ برہان الدین حلبیؒ فرماتے ہیں:

"لَيْسَ بِثِقَةٍ، مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ"[۲۵] ابنِ عدیؒ نے اسے "سَارِقُ الْحَدِيْثِ" لکھا ہے[۲۶]، امام ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی (م ۳۸۵ھ) نے "متروک" بتایا ہے[۲۷]۔ ابن معینؒ نے اس کے "کذب" کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے: "لَيْسَ بِشَيْءٍ، كَذَّابٌ"

---

[۲۲] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للشیخ محمد ناصر الدین الالبانی ج ۲ ص ۲۶۲،۲۶۰
[۲۳] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۴ [۲۴] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۱ [۲۵] المجموع فی الضعفاء والمتروکین ص ۱۸۱ ، ۴۶۶ طبع دار القلم بیروت ۱۹۸۵ء والکشف الحثیث ص ۳۱۰ [۲۶] الکامل لابن عدیؒ ج ۵ ترجمہ ۱۷۲۲ [۲۷] الضعفاء والمتروکین للدار قطنیؒ ترجمہ ۳۷۱

"خَبِیثٌ، رَجُلُ سُوْءٍ"[۲۸] امام احمد بن شعیب النسائیؒ (م ۳۰۳ھ) کا قول ہے: "لَیسَ بِثِقَةٍ، مَتْرُوكُ الحَدِیثِ" امام ابن الجوزیؒ نے بتایا ہے کہ وہ "متہم"[۲۹] ہے، حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا قول ہے: "مَتْرُوكٌ مِنْ صِغَارِ العَاشِرَةِ"[۳۰] ان کے علاوہ عقیلیؒ[۳۱]، ابنِ ابی حاتمؒ[۳۲]، ابنِ حبانؒ[۳۳] اور ذہبیؒ[۳۴] وغیرہ نے بھی اس کو "ساقط الاعتماد" قرار دیا ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی نے "ضَعِیفٌ جِدًّا"[۳۵] لکھا ہے۔

اور ثانی الذکر علی بن ابی علی بھی "متروک الحدیث" ہے[۳۶]۔ امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ[۳۷] (م ۲۵۶ھ)، عقیلیؒ[۳۸]، ابنِ ابی حاتمؒ[۳۹]، ابنِ حبانؒ[۴۰]، ابنِ عدیؒ[۴۱]، دار قطنیؒ[۴۲]، ذہبیؒ[۴۳] اور نسائیؒ[۴۴] وغیرہ نے اس کو "متروک" اور "منکر الحدیث" بتایا ہے۔

۲۔ "أَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَنْبَأَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ أَنْبَأَنَا أَبُو طَالِبٍ يَحْيَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ الدَّسْكَرِيِّ قَالَ أَنْبَأَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْمُقْرِئِ قَالَ أَنْبَأَنَا أَبُو الطَّيِّبِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الدَّقَّاقُ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَبُو جَعْفَرٍ الْمُكْتِبُ قَالَ أَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ بَهْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عَلِيٍّ: "هٰذَا أَمِيرُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْفَجَرَةِ، مَنْصُورٌ مَنْ نَصَرَهُ، مَخْذُولٌ مَنْ

[۲۸] الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۱۹ وکتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۴ [۲۹] کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۲۷ [۳۰] تقریب التہذیب ج ۲ ص ۵۲ والتہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۲۸ [۳۱] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۱۳۴ [۳۲] الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۹۹ [۳۳] المجروحین ج ۲ ص ۹۲ [۳۴] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۸۲ [۳۵] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۲ ص ۳۶۴ [۳۶] المجموع فی الضعفاء والمتروکین ص ۱۶۹-۱۷۰ [۳۷] تاریخ الکبیر للبخاریؒ ج ۳ ص ۲۸۸ والتاریخ الصغیر للبخاریؒ ج ۲ ص ۱۹۲ والضعفاء الصغیر للبخاریؒ ترجمہ ۲۶۲ [۳۸] الضعفاء الکبیر ترجمہ: ۱۲۳۹ [۳۹] الجرح والتعدیل ج ۳ ترجمہ ۱۳۹۷ [۴۰] المجروحین ج ۲ ص ۱۰۷ [۴۱] کامل لابن عدیؒ ج ۵ ترجمہ ۱۸۳۰ [۴۲] الضعفاء والمتروکین ترجمہ: ۴۰۹ [۴۳] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۴۷ [۴۴] الضعفاء والمتروکین ترجمہ: ۴۲۹

خذلہ — یمدّ بھا صوتہ — انا مدینۃ العلم...... الخ"[45]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کے اس طریق میں "احمد بن عبداللہ المکتب" راوی موجود ہے جس کے متعلق ابن عدیؒ کا قول ہے: "کان یضع الحدیث"[46]

۳- "انبأنا عبدالرحمٰن بن محمد قال انبأنا احمد بن علی بن ثابت قال انبأنا احمد بن محمد العتیقی حدثنا عبداللہ ابن محمد بن عبداللہ الشاہد حدثنا ابو بکر احمد بن فاذویہ الطحال حدثنا ابو عبداللہ احمد بن محمد بن یزید ابن سلیم قال حدثنی رجاء بن سلمۃ حدثنا ابو معاویۃ الضریر عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انا مدینۃ العلم...... الخ"[47]

حضرت ابن عباسؓ کے اس طریق کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں جابر بن سلمہ ہے جو اس حدیث کے سرقہ کے لیے "متہم" ہے۔[48]

۴- "انبأنا ابو منصور عبدالرحمٰن بن محمد قال انبأنا ابو بکر احمد بن علی بن ثابت قال انبأنا الحسین بن علی الصمیری قال حدثنا احمد بن علی الصمیری حدثنا ابراھیم بن احمد بن ابی حصین حدثنا محمد بن عبداللہ ابو جعفر الحضرمی حدثنا جعفر بن محمد البغدادی الفقیہ حدثنا ابو معاویۃ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "انا مدینۃ العلم...... الخ"[49]

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس طریق میں "جعفر بن محمد البغدادی" بھی اس حدیث کے سرقہ کے ساتھ "متہم" ہے۔[50]

۵- "رواہ ابن مردویہ من طریق الحسن بن علی عن ابیہ عن رسول

[45] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۳ [46] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۴ [47] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۰-۳۵۱ [48] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۴ [49] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۰ [50] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۴

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ : "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ[۵۱]۔۔۔۔۔الخ"

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے اس طریق میں "مجاہیل" جمع ہیں[۵۲]

جس روایت کے آخر میں "فَمَنْ اَرَادَ بَابَھَا فَلْیَاْتِ عَلِیًّا" کے الفاظ ملتے ہیں۔ اُس کا طریق اسناد اس طرح وارد ہوا ہے :

"اَنْبَأَنَا عَلِیُّ بْنُ عُبَیْدِ اللہِ قَالَ اَنْبَأَنَا عَلِیُّ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ الْبُسْرِیِّ قَالَ اَنْبَأَنَا عُبَیْدُ اللہِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُکْبَرِیُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ یَزِیْدَ الزَّعْفَرَانِیُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ مُجَالِدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ[۵۳]۔۔۔۔۔الخ"

حضرت ابن عباسؓ کے اس طریق اسناد میں بھی "عمر بن اسماعیل بن مجالد" راوی موجود ہے جس پر جرح اوپر بیان کی جاچکی ہے۔ (ملاحظہ ہو حواشی ۲۵ تا ۳۵ کی تفصیل)

ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کی ان روایات کے طرق پیش ہیں، جن کے آخر میں "فَمَنْ اَرَادَ مَدِیْنَۃَ الْعِلْمِ فَلْیَاْتِھَا مِنْ بَابِھَا" کے الفاظ مروی ہیں :

۱۔ "اَنْبَأَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اَحْمَدَ السَّمَرْقَنْدِیُّ قَالَ اَنْبَأَنَا اِسْمٰعِیْلُ ابْنُ مَسْعَدَۃَ قَالَ اَنْبَأَنَا حَمْزَۃُ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سُلَیْمَانَ بْنِ مُوْسَی بْنِ عَدِیٍّ قَالَ اَنْبَأَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَلَمَۃَ اَبُوْ عَمْرٍو الْجُرْجَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ[۵۴]۔۔۔۔الخ

اس طریق کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں "احمد بن سلمہ" موجود ہے، جس کے متعلق ابن عدیؒ کا قول ہے کہ "وہ ثقات کی طرف منسوب کرکے باطل چیزیں بیان کرتا ہے اور احادیث چراتا ہے"[۵۵]

---

۵۱ کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۰ ۵۲ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۳ ۵۳ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۱ ۵۴ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۲ ۵۵ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۴

۲۔ حضرت ابن عباسؓ کی اسی روایت کا ایک اور طریق یوں وارد ہوا ہے:

"اَنْبَأَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَحْمَدَ اَنْبَأَنَا ابْنُ مَسْعَدَةَ اَنْبَأَنَا حَمْزَةُ اَنْبَأَنَا ابْنُ عَدِیٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِیْدٍ الْعَدَوِیُّ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ عَلِیِّ بْنِ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ[۵۶] ۔۔۔۔ الخ"

اس طریق کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "اس میں "ابو سعید العدوی" کذاب اور صریح وضاع ہے[۵۷]۔ اس طریق میں ایک راوی "حسن بن علی بن راشد" بھی موجود ہے جو مدلس ہے[۵۸]۔

حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت جس کے آخر میں "فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَأْتِهَا مِنْ قِبَلِ بَابِهَا" کے الفاظ بیان کئے جاتے ہیں اس کا طریق اس طرح ہے:

"اَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ خَیْرُوْنَ قَالَ اَنْبَأَنَا اِسْمَاعِیْلُ ابْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ اَنْبَأَنَا حَمْزَةُ قَالَ اَنْبَأَنَا ابْنُ عَدِیٍّ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ عُقْبَةَ اَبُو الْفَتْحِ الْكُوْفِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ[۵۹] ۔۔۔۔ الخ"

اس طریق میں دو راوی مجروح ہیں (۱) احمد بن حفص السعدی، اور (۲) سعید بن عقبہ۔ احمد بن حفص کو علامہ برہان الدین حلبیؒ نے "صاحب مناکیر" لکھا ہے[۶۰]۔ حمزہ السہمیؒ اور ابن عدیؒ کا قول ہے: "لَمْ یَتَعَمَّدِ الْكَذِبَ لَهٗ" علامہ ذہبیؒ نے اس کا تذکرہ سعید بن عقبہ کے ترجمہ میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ "ابن عدیؒ عن احمد بن حفص" سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک مرفوع حدیث "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ" مروی ہے اس کے بعد علامہ ذہبیؒ

---

[۵۶] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۲ [۵۷] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۲
[۵۸] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۸ [۵۹] کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۲
[۶۰] الکشف الحثیث ص ۵۳ [۶۱] الکامل الاول ق ۶۶ والمیزان الاعتدال للذہبیؒ ج ۱ ص ۹۴

فرماتے ہیں: "قُلْتُ: اِخْتَلَقَہُ السَّعْدِیُّ"[۶۲]

اس طریق کے دوسرے راوی "سعید بن عقبہ" کے متعلق امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "ابن عدیؒ کا قول ہے" "وہ مجہول اور غیر ثقہ ہے"[۶۳]

حضرت ابن عباسؓ کی وہ حدیث، جس کے آخر میں "فَمَنْ اَرَادَ الدَّارَ فَلْیَاْتِہَا مِنْ قِبَلِ بَابِہَا" کے الفاظ مروی ہیں، اُس کا طریق یہ ہے:

"اَنْبَأَنَا اَبُوْ مَنْصُوْرِ بْنُ خَیْرُوْنَ قَالَ اَنْبَأَنَا اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْجَوْھَرِیُّ عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الدَّارَقُطْنِیِّ عَنْ اَبِیْ حَاتِمِ الْبُسْتِیِّ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُسَیْنُ ابْنُ اِسْحَاقَ الْاَصْبَہَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عُبَیْدٍ الْقَاسِمُ بْنُ سَلَّامٍ عَنْ اَبِیْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاھِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ.....[۶۴] الخ"

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "اس طریقہ میں "اسماعیل بن محمد بن یوسف" راوی موجود ہے، جس کے بارے میں ابن حبانؒ کا قول ہے کہ وہ احادیث چرایا کرتا ہے اور ان کی اسانید گھڑا کرتا ہے چنانچہ اس سے احتجاج جائز نہیں ہے"[۶۵]

(جاری ہے)

۶۲؎ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵۳ والکشف الحثیث ص ۵۳ ۶۳؎ کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۴ والمیزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵۳ ۶۴؎ الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۱ ص ۳۵۲

۶۵؎ ایضاً ج ۱ ص ۳۵۴

★ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل ممکن نہ ہوگی

★ محدث خود پڑھیں اور دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دیں، شکریہ (مینجر)

مولانا فیض الرحمٰن ثوری تہذیب : مولانا سید مجتبیٰ سعیدی

اَلعِلَلُ المُتَنَاهِيَہ .... (مطبوع) کی تصحیح

موجودہ دور میں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی کام میں بھی خاصی ترقی اور پیش رفت ہوئی ہے۔ الحمد للہ، اس علمی ترقی میں سے اصحابِ علومِ دینیہ کو بھی ایک وافر حصہ ملا ہے۔ چنانچہ اسلاف و بزرگانِ امت کی بہت سی تصانیف ــــ جن کا صرف نام کی حد تک ہمیں تعارف حاصل ہو سکا تھا اور ان کی اشاعت نہ ہونے کے سبب اہلِ علم ان سے استفادہ کرنے سے قاصر تھے، تاہم یہ اب تک محفوظ چلی آ رہی تھیں ــــ ان کتابوں کی اشاعت سے بہت سا علمی فائدہ ہوا ہے۔

ان کتابوں میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابنِ خزیمہ وغیرہا بہت سی کتابیں شامل ہیں! ــــ اسی ضمن میں امام ابوالفرج عبدالرحمان بن علی ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (۵۱۰ھ۔ ۵۹۷ھ) کی مشہور کتاب "اَلعِلَلُ المُتَنَاهِيَۃُ فِی الاَحَادِیثِ الوَاهِیَۃِ" بھی ہے۔ اس کتاب میں امام موصوف نے ضعیف اور موضوع احادیث، ابواب کی ترتیب پر ذکر کر کے، ہر حدیث کے بعد اس کی استنادی حیثیت بیان کی ہے، یہ کتاب بھی اب تک طبع نہ ہو سکی تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کتاب کے قلمی نسخے حاصل کر کے اس پر تحقیق و تعلیق کا کام مکمل کیا اور ادارہ علومِ اثریہ (فیصل آباد) نے اسے شائع کیا ہے۔

کسی قلمی کتاب کو سمجھنا اور پھر اس کی اغلاط کی درستی وغیرہ کس قدر مشکل

کام ہے، اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں ایسا کوئی تجربہ ہُوا ہو ـــــ صدیوں پرانا رسم الخط، رسم الخط کا اختلاف تحریر و کتابت کی غلطیاں، قدیم وجدید اندازِ تحریر کا فرق، اوراق کی بوسیدگی کے سبب اوراق میں نقص وغیرہ، ان سب مشکلات کے باوصف اہلِ علم اس مشکل کام کو صرف اور صرف خدمتِ دین کے جذبہ سے سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کٹھن اور اہم کام میں انسان سے غلطی کا واقع ہو جاتا کچھ بعید نہیں ہے۔

صاحبِ موصوف سے بھی بتقاضائے بشریت کچھ فرو گزاشتیں ہوگئی ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے ایک غیر معروف اہلِ علم حضرت مولانا فیض الرحمان ثوری حفظہ اللہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمِ رجال میں خاصا ملکہ عطا فرمایا ہے، انہوں نے اصحابِ علم کے افادہ کی خاطر اس کتاب کے اندر واقع تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے۔ تاکہ جن حضرات کے پاس اس کتاب کا نسخہ ہو، وہ اس کی مدد سے اس کی تصحیح کر لیں۔

ـــــ مولانا ثوری چونکہ اپنے مخصوص حالات کی بناء پر اس تصحیح کو شائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، لہٰذا جذبۂ خدمتِ علمِ دین کے پیشِ نظر ادارہ محدث اسے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ـــــ جبکہ اس کی ترتیب وتہذیب کی خدمت، جامعہ رحمانیہ (بالمقابل ہیلے کالج، گارڈن ٹاؤن لاہور) کے استاذ مولانا سعید مجتبیٰ سعیدی نے انجام دی ہے۔ دعا ہے، اللہ تعالیٰ اس علمی خدمت کے تمام متعلقین کی محنت قبول فرما کر انہیں اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے ـــــ آمین! (ادارہ)

جلد اوّل

صواب (صحیح)	خطأ (غلط)	سطر	صفحہ	نمبر شمار
يُشَكِّكُمُ	يُشُكُّكُمُ	۱۰	۳	۱

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
۲	۵	۱۷	لم یذکر فیہ الجرح ولا التعدیل	لم یذکر فیہ جرحًا ولا تعدیلًا
۳	۹	۱۷	تابعہ فی ھٰذہ	تابعہ علی ھذہ
۴	۹	۲۳	عمرو بن قیس	عمرو بن ابی قیس
۵	۱۰	۲۰	ً	ً
۶	۱۱	۱۴	ولم یذکوہ فیہ	ولم یذکر فیہ
۷	۱۷	۵	علی بن احمد البیسری	علی بن احمد البسری
۸	۱۷	۷	عبد الرحمٰن بن زید بن جابر	عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر
۹	۲۲	۱۲	شاذان قال نا اسود	قال نا شاذان اسود
۱۰	۲۳	۲۲	بانّہٗ	انّہٗ
۱۱	۳۴	۱۵	موضع	الموضح
۱۲	۳۸	۲	عن عمہ عن عبد اللہ بن وھب	عن عمہ عبد اللہ بن وھب
۱۳	۴۳	۲۱	بانّہٗ	انّہٗ
۱۴	۴۶	۳	ابوسعید	ابوسعد
۱۵	۴۶	۵	قال	قالا
۱۶	۵۴	۱۰	عن علی بن الحسین انّ علیًّا	عن علی بن الحسین عن ابیہ انّ علیًّا
۱۷	۵۶	۸	ھزیل	ھذیل
۱۸	۵۸	۵	الفارسی	القرشی
۱۹	۶۵	۱۶	بانّہٗ	انّہٗ
۲۰	۶۶	۱۶	صحّ	صحّحَ
۲۱	۶۶	۱۶		ً
۲۲	۶۶	۲۰	ومثّل بہ الحاکم للمشھور لیس بصحیح و تبع فی ذٰلک	ومثّل بہ ابن الصلاح للمشھور الذی لیس بصحیح و

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطاء (غلط)	صواب (صحیح)
			ایضًا ابن الصلاح	تبع فی ذٰلک ایضًا الحاکم له
۲۳	۶۸	۱۸	العجب علی	العجب مِن
۲۴	۷۳	۱۷	فالإسناد حسن	یہ حدیث حسن الاسناد نہیں، اس میں ضعف کی چار وجوہ موجود ہیں: ۱۔ سند میں بعض راویوں پر ابن الجوزی نے جرح کی ہے۔ ۲۔ سندِ حدیث میں اضطراب ہے۔ هشام عن الحسن عن جابر، قتادة عن الحسن عن انس ۳۔ حسن مدلس اور کثرت سے ارسال کرنے والا ہے۔ ۴۔ یہ حدیث حسن سے صحیح سند کے ساتھ مرسلاً مروی ہے۔ لہٰذا یہ حسن نہیں۔
۲۵	۸۰	۷	الكنانی	الكتانی
۲۶	۸۱	۳	کان	کانا
۲۷	۸۷	۱۸	انه لایعلمه من وجه احسن	انّهٗ لایعلمه یروی من وجه احسن
۲۸	۸۸	۳	بستام	مستام
۲۹	۹۲	۱	محمد ناصر	محمد بن ناصر
۳۰	۹۳	۱۴	انا ابن مسعدة قال انا ابن عدی۔	انا ابن مسعدة قال نا حمزة قال نا ابن عدی
۳۱	۹۵	۱	عن علی بن الحکم قال قال رسول الله	مصنف اور صاحبِ تعلیق نے یہ حدیث مسند احمد ۲۴۳/۲ سے نقل کی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
				یہ سند یوں ہے : عن علی بن الحکم عن عطاء بن ابی رباح عن ابی ھریرة قال .....
۳۲	۹۵	۵	ارطاط	ارطاة
۳۳	۹۶	۸	ناعمر	ابوعمر (کما فی لسان المیزان' ترجمہ عثمان بن احمد)
۳۴	۹۹	۹	الحسین بن احمد	الحسین بن حمید
۳۵	۱۰۴	۲۱	عبد اللہ بن ابی بکرة	عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد (کما فی تعجیل المنفعة)
۳۶	۱۰۶	۲۵	بانّ المؤلّف	انّ المؤلّف
۳۷	۱۱۴	۷	الخطبی	الخطیبی (کما فی حاشیة الانساب ۱۲۹/۵)
۳۸	۱۱۴	۱۰	قال	قالا
۳۹	۱۱۶	۱	انا ابوعبد اللہ محمد بن السلال قال نا ابراھیم بن محمد بن عبدك	محمد بن محمد بن السلال قال اخبرنا احمد بن محمد بن سیاووش قال اخبرنا ابوحامد احمد بن ابی طاھر الاسفرائنی قال نا ابراھیم بن محمد بن عبدك - الخ
۴۰	۱۱۶	۳	قال انا الحسن	قالا انا الحسن
۴۱	۱۱۷	۱۵	محمد بن محمد السلال	محمد بن محمد بن السلال
۴۲	۱۲۰	۱۳	لا اعرفهٗ	(یہ کلمہ بے محل ہے)
۴۳	۱۲۰	۱۸	لم أری	لم أرَ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
۴۴	۱۲۰	۲۲	بانهٔ	انهٔ
۴۵	۱۲۴	۱۲	الحضرمی	الحضری (کما فی الکفایة و تاریخ بغداد)
۴۶	۱۲۷	۲۲	سحو	سهو
۴۷	۱۲۷	۲۲	〃	〃
۴۸	۱۲۸	۲۰	یدل ان	یدل علی ان
۴۹	۱۳۰	۴	ابوالحسن	ابوالحسین (کما فی العبر ۸۱/۲ - ۲۷۲/۳)
۵۰	۱۳۰	۵	اسماعیل بن عیاس	اسماعیل بن عیاش (کما فی سنن الدار قطنی ص: ۴۹)
۵۱	۱۳۵	۵	الرقی	المزنی (کما فی تحفة الاحوذی ۳۷۹/۳)
۵۲	۱۳۹	۲	المجهول	المجهولین
۵۳	۱۴۹	۹	ابوحامد احمد بن طاهر	ابوحامد احمد بن ابی طاهر
۵۴	۱۴۹	۹	ساووش	سیاووش
۵۵	۱۵۰	۴	مسعدة	ابن مسعدة
۵۶	۱۵۵	۱۴	انا ابن مسعدة قال انا ابن عدی	انا ابن مسعدة قال نا حمزة قال نا ابن عدی
۵۷	۱۶۳	۸	حفص بن غیاث الاعمش	حفص بن غیاث عن الاعمش
۵۸	۱۶۶	۲۱	فلیراجع الیه	فلیرجع الیه
۵۹	۱۶۷	۱۰	بالجبر	بالخبر
۶۰	۱۷۰	۸-۱۳	لا	نعم (سنن ابن ماجه والضعفاء للعقیلی)
۶۱	۱۷۱	۹	وانا اشکو من البطن	وانا اشکو فی البطن (کما فی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
				حدیث رقم ۲۷۱ الضعفاء للعقیلی)
۶۲	۱۸۸	۹	ابن بکیر	ابن بکران حدیث ۲۴۶/۱، ۲۷۵/۱، ۳۴۰/۱، ۳۴۹/۱)
۶۳	۱۹۷	۹	ابی خیثمة	ابی حثمه (بالحاء المهملة)
۶۴	۱۹۷	۱۰-۱۳-۱۶	فمن	فممن
۶۵	۱۹۹	۳	ابی خیثمة	ابی حثمة
۶۶	۲۰۰	۲۵	راجع	رجع
۶۷	۲۰۶	۱۲	یغلوا	یغلو
۶۸	۲۰۶	۱۴	داهر	عبدالله بن داهر (العلل ۲۶۸/۱ - الضعفاء للعقیلی)
۶۹	۲۰۷	۳	سلیمان	سلمان
۷۰	۲۱۰	۴	وابوالعباس	وابی العیاش
۷۱	۲۱۴	۵	منهم	منکم
۷۲	۲۱۴	۱۳	فزرها	فزردها
۷۳	۲۱۴	۱۴	حوضی او داجك	حوضی واو داجك
۷۴	۲۱۵	۳	دعاعویمر واباالدرداء	دعاعویمرا اباالدرداء
۷۵	۲۱۵	۲۴	رجلٌ	رَجُلاً
۷۶	۲۲۰	۸	ابن حبّان	ابن حیّان
۷۷	۲۲۴	۱۲	ناعیسٰی بن عبد الله بن محمد ابن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیه عن جدّه عن علیؓ۔	(اس سند میں ایک اب کا واسطہ چھوٹ گیا ہے)
۷۸	۲۲۵	۱۱-۱۴	محمد بن شعیب	محمد بن شعیب یا سعید؟ (مجمع الزوائد ۱۲۶/۹ المعجم

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
				الکبیر للطبرانی ۱/۳۴۳)
۷۹	۲۳۳	۹	مسلم	مسلمًا
۸۰	۲۳۳	۱۴	جزء	جزءًا
۸۱	۲۳۳	۱۸	بانّهٗ	انّهٗ
۸۲	۲۳۴	۱۵	ًّ	ً
۸۳	۲۳۶	۶	البهول	البهلول (میزان الاعتدال، ترجمہ عباد بن سعید الجعفی)
۸۴	۲۳۸	۱	قال حدّثنی ابی عن ابیه عن جده علی	(اس سند میں ایک جد کا واسطہ رہ گیا ہے)
۸۵	۲۳۸	۱۸	ذکر السیوطی	ذکره السیوطی
۸۶	۲۴۹	۱۶	ابو سلیمان	ابی سلیمان
۸۷	۲۵۷	۱۰	حدیث	(یہ لفظ زائد ہے)
۸۸	۲۵۹	۳	عاصم بن علی	علی بن عاصم
۸۹	۲۵۹	۲۷	فلیراجع الیه	فلیرجع الیه (ص ۲۶۰ سطر ۱)
۹۰	۲۶۰	۱۵	عاصم بن علی	علی بن عاصم (دیکھیے صفحہ ۲۵۳ سطر ۱،
۹۱	۲۶۰	۱۸	لَم اجد ترجمته	(ذکره الحسینی فی الاکمال وقال هو منکر الحدیث وقال ایضًا وفی سائر طرقه اضطراب)
۹۲	۲۶۹	۲۵	ابو یوسف	ابی یوسف
۹۳	۲۷۳	۳	عن عمیر	عن عمر
۹۴	۲۷۵	۱۹	بانّ	انّ
۹۵	۲۷۸	۳	ابن السری	ابن البسری
۹۶	۲۷۸	۱۱	الواسطی	الوسطی
۹۷	۲۷۹	۱	عن ابیه عن عبد الله	عن ابیه عبد الله

نمبر شمار	صفحہ	سطر	خطأ (غلط)	صواب (صحیح)
۹۸	۲۸۲	۲۳	فلیراجع الیہ	فلیرجع الیہ
۹۹	۲۸۳	۲۰	ابو ربیعۃ	ابی ربیعۃ
۱۰۰	۲۸۳	۲۱	ابواسحاق	ابا اسحاق
۱۰۱	۲۸۵	۱	ربو	ربوا
۱۰۲	۲۹۰	۲۲	ان یخرج	ان یجرّح (جاری ہے)

ردِّ تقلید اور

حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر

حجیّتِ حدیث

شیخ ناصر الدین البانی کی مایہ ناز کتاب

ضخامت ــــــــ ترجمہ ــــــــ قیمت

۸۸ صفحات حافظ عبدالرشید اظہر ۹ روپے صرف

ناشر: ادارہ محدث ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴

خلافت و جمہوریت

از قلم

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

دوسرا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے!

ضخامت : ۲۸۸ صفحات

مجلد سنہری ڈائیداؤ ــــــــ قیمت ۳۸ روپے

ناشر: ادارہ محدث ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

مولانا سعید مجتبیٰ سعیدی ابن صاحبِ تذکرہ

یادِ رفتگاں

حضرت مولانا ابوسعید عبدالعزیز سعیدی مرحوم

(آف منکیرہ)

مولانا موصوف جماعت اہل حدیث کے بلند پایہ عالم دین، صالح الاعمال اور بہترین اخلاق وعادات کے مالک تھے۔ یہ شیخ زمان حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے آخر شاگردوں میں سے تھے۔ والد گرامی کا نام میاں دین محمد تھا، جنہوں نے اس خاندان میں سب سے پہلے مسلکِ حق اہلحدیث قبول کیا، بڑے پاکباز، نیک طینت اور متقی تھے۔ اگرچہ خود تعلیم یافتہ نہ تھے، تاہم علماء کے وعظ وارشاد کو بڑی توجہ سے سنتے۔ حتیٰ کہ جو مسئلہ باحوالہ بیان کیا جاتا، آپ وہ حوالہ بھی یاد رکھتے تھے۔ اس طرح جب کبھی کسی مسئلہ پر بات چلتی تو فرما دیا کرتے کہ یہ مسئلہ فلاں عالم نے فلاں مقام پر تقریر کرتے ہوئے یوں بیان فرمایا اور فلاں کتاب کا حوالہ دیا۔

۱۹۳۵ء میں ان کی وفات ہوئی۔

ولادت:

مولانا سعیدی کی اپنی تحریر کے مطابق ولادت ۷ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ہوئی۔ جب کہ والدِ گرامی چک ۹۹/۱۰-۵ء نزد جہانیاں منڈی ضلع ملتان میں رہائش پذیر تھے۔ توحید وسنت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے، جس کا اثر تھا کہ آپ مسلکِ اہلحدیث کے شیدائی اور پورے طور پر اس کے عامل اور مبلّغ تھے۔

ابتدائی تعلیم:

۱۹۳۰ء میں پرائمری کر لی تھی۔ پھر قریبی چک ۱۱۲ میں ایک بزرگ مولانا سید محمد صالح

(جو کہ سید محمد شریف گھڑیالویؒ کے بھتیجے تھے) سے قرآنِ کریم کا کچھ حصّہ، کریما اور صرف بہائی وغیرہ پڑھیں۔

۱۹۳۲ء میں بھینی سدھواں تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر میں حضرت مولانا عطاء اللہ شہید (جنہوں نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں سکھوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا) کے "مدرسہ محمدیہ" میں چلے گئے۔ وہاں دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس دوران ابتدائی صرف و نحو اور بلوغ المرام پڑھ لیں۔ یہیں مشکوٰۃ شریف شروع کی۔ ۱۹۳۷ء میں رمضان کے بعد موضع لکھو کے ضلع فیروزپور چلے گئے، جہاں کا مدرسہ صرف، نحو اور معقولات کا بہترین مدرسہ شمار ہوتا تھا۔ مولانا عطاء اللہ لکھوی مرحوم سے ابواب الصرف، فصولِ اکبری، شافیہ، شرح مائۃ عامل، ہدایت النحو اور مشکوٰۃ المصابیح پڑھیں۔ ۱۹۳۹ء میں موضع میر محمد نزد راجہ جنگ ضلع قصور تشریف لے گئے، وہاں عبدالحق سنگھانوالوی و فیروزپوری شہید (۱۹۴۷ء) رحمہ اللہ تعالیٰ سے درس لیا۔ اسی دوران اپنے والد کے ہمراہ چک ۱۲-۱۱۲ متصل جہانیاں منڈی (ملتان) میں رہائش پذیر ہوئے۔ اسی سال ملتان کے شہرہ آفاق محدث حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانیؒ تلمیذ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ترجمۃ القرآن الکریم کے علاوہ کافیہ، شرح جامی اور ابن ماجہ وغیرہ اسباق پڑھے۔

مولانا شمس الحق محدث ملتانی (حال شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ ملتان) ان دنوں مولانا عبدالحق ملتانیؒ سے صحیح بخاری اور ہدایہ کا درس لیتے تھے اور مولانا شرف الحق ملتانی مرحوم مولانا سعیدی کے ہمدرس تھے۔ انہی دنوں حضرت مولانا محمد شریف گھڑیالوی امیر جمعیۃ اہلحدیث پنجاب چک ۱۲-۱۱۲ (جہانیاں منڈی) کے مشورہ پر بھوئے آصل ضلع قصور چلے گئے۔ وہاں "شمس الہدیٰ" کے نام سے ایک مدرسہ تھا اور حضرت مولانا ابوسلمان عبدالرحمٰن انصاری بھوجیانی (جو جناب محمد ابراہیم انصاری بھوجیانی آف گوجرانوالہ کے بڑے بھائی تھے) مسندِ تدریس پر فائز تھے۔ موصوف بے حد خلیق، شیریں گفتار، اور حدیث و تفسیر کے اچھے مدرس تھے۔ لیکن مولانا عبدالرحمٰن ۱۹۳۶ء کے ذوالقعدہ میں حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسی سال مجلسِ احرار پنجاب کا ایک وفد سلطان ابن سعود کی خدمت میں اس غرض سے گیا کہ سعودی حکومت کا امریکن کمپنی کے ساتھ تیل کا جو معاہدہ ہوا ہے، اس کی مخالفت کی جائے۔ علمائے اہل حدیث ہند کی طرف سے حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ، مولانا محمد اشرف سندھوؒ، مولانا عبدالخالق

آف پتوکی اور حضرت مولانا عبدالرحمن رح بھوجیانی بھی وفد میں شریک تھے۔ سلطان کے ہاں اس وفد کی خوب پذیرائی اور مدارات ہوئی۔ ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" نے سعودی مملکت کے حالات پر مشتمل "حجاز نمبر" بھی شائع کیا۔

مولانا عبدالرحمن مرحوم حج سے فارغ ہو کر محرم میں وطن واپس پہنچے تو پڑھائی شروع ہوئی، اس وقت سنن النسائی، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، شرح الجامی اور سراجی زیرِ درس تھیں۔ دورانِ سال حضرت مولانا کی آواز بیٹھ گئی، اور پھر بند ہو گئی۔ سانس آتا تھا مگر بول نہ سکتے تھے، تا آنکہ اسی مرض میں انتقال کر گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ!

۱۹۳۷ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر (مولانا سید محمد داؤد غزنوی رح کے زیرِ اہتمام) چلے گئے۔ وہاں کے قابلِ ذکر اساتذہ میں مولانا نیک محمد شیخ الحدیث، مولانا محمد حسین شیخ التفسیر اور شیخ العلوم الآلیہ مولانا ابوالحسنات محمد عبداللہ بھوجیانی شہید (۱۹۴۷ء) تھے۔ حضرت مولانا نیک محمد رح سے جامع الترمذی، مولانا محمد حسین رح سے ترجمۃ القرآن اور شرح جامی اور مولانا بھوجیانی رح سے شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سبع المعلقات، مقاماتِ حریری، دیوان الحماسہ کی تعلیم حاصل کی۔

شوال ۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانی رح اور مولانا عبدالتواب محدث ملتانی رح (ت ۱۹۴۷ء) ———— دونوں بزرگوں کے سفارشی خط بہنچۂ زماں حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی رح کے نام لے کر شوال کے پہلے عشرہ میں مدرسہ عربیہ سعیدیہ دہلی پہنچ گئے۔ لکھتے ہیں کہ:

"مولانا دہلوی درس دے رہے تھے، میں نے خط دیئے تو مولانا بے حد خوش ہوئے۔ کیونکہ آپ مولانا عبدالحق محدث ملتانی رح کے شاگرد تھے۔ چنانچہ مدرسہ میں داخل کر لیا گیا۔

ترجمۃ البخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور ادب میں متنبی، یہ اسباق شروع کئے۔

مدرسہ میں میرے ہمدرس احباب میں مولٰنا حبیب اللہ بستوی اور حضرت مولانا حافظ عبداللہ بھوجیانی مرحوم (مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ العالی، صاحب المکتبۃ السلفیہ و مدیر "الاعتصام" کے بڑے بھائی) تھے۔ یہ سال بہت عمدہ گزرا۔"

مولانا سعیدی فرمایا کرتے تھے کہ "مولانا محمد شرف الدین کی نوازشات عاجز پر بہت زیادہ تھیں۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مدرسہ کے تمام طلبہ میں میرا مقام مولانا کی نظر میں امتیازی تھا۔"

اس سال صحیح بخاری، سُنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی ایک ایک جلد پڑھی جا سکی۔ صرف صحیح مسلم مکمل ہوئی۔ دوسرے سال کے ہمدرس ساتھیوں میں مولانا علی محمد صاحب سعیدی (حال مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال) اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب چھٹہ (حال خطیب بستی چھٹہ ضلع ملتان) زیادہ معروف ہیں۔ اس سال کتب باقیہ کے علاوہ حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا۔ یہ ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا اور اس سال سندِ فراغت حاصل کر کے اپنے وطن واپس لوٹے۔

"سعیدی" کی وجہ تسمیہ:

چونکہ آپ نے اپنی دینی تعلیم کی تکمیل "مدرسہ عربیہ سعیدیہ" میں کی تھی۔ مدرسہ کی نسبت سے آپ سعیدی کہلوائے۔ اور اب ہم لوگ یعنی مرحوم کی اولاد بھی سعیدی انتساب کو ہی پسند کرتی ہے۔

خصوصی تعلق:

والدیم مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ "جس سال ہم نے سندِ فراغت حاصل کی تو مولانا شرف الدین محدث دہلوی نے فرمایا، "عبد العزیز، تم مزید ایک سال یہاں رہ کر پڑھ لو۔" مگر گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے میں وقت نہ نکال سکا۔ جب فارغ التحصیل طلباء کو سندات تقسیم کی گئیں، تو فرمایا کہ تمہیں ابھی سند نہیں ملے گی اور میں بغیر سند لیے وطن چلا آیا۔ بعد میں جب استاذِ مکرمؒ چندہ کے سلسلے میں پنجاب آئے تو لوہے کی ایک مضبوط نالی بنوا کر اس میں سند محفوظ کر کے لائے اور مجھے سند عطا فرمائی۔"

ایک بار آپ اپنے اُستاذِ محترم سے ملاقات کے لیے دہلی گئے اور چند روز قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ ہوا تو اُستاذِ محترم نے فرمایا، میاں ٹھہرو، پھر کتب خانہ میں جا کر چاقو سے ایک کتاب کی جلد توڑ کر کتاب "حصن حصین" اپنے شاگرد کو ہدیہ دیا۔ یہ کتاب آج بھی ہماری لائبریری میں موجود ہے۔

اسی طرح جب ۱۹۴۸ء میں حضرت دہلویؒ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے، ۴ر فروری کو اپنے عزیز شاگرد کے غریب خانہ پر چک ۵۵ نزد رحیم یار خان آئے اور چھ ماہ تک وہیں رونق افروز رہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ میرا انتہائی تنگدستی اور فقر کا زمانہ تھا۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث کی تشریف آوری کے بعد فقر و فاقہ دور ہو گیا اور چھ ماہ بعد حضرت شیخ الحدیث، سندھ میں گوٹھ پیر آف جھنڈا تشریف لے گئے۔ وہاں سے منڈی تاندلیانوالہ، پھر کراچی، پھر تقویۃ الاسلام غزنویہ لاہور میں قیام فرمایا۔ تا آنکہ ۱۹۶۱ء میں راہگرائے عالم بقا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَاَدْخِلْہُ فِیْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ!

علمی و تحقیقی ذوق:

مرحوم کا علمی ذوق بلند اور اسلامی اور دینی موضوعات پر مطالعہ بہت وسیع تھا۔ جو کتاب بھی ہوتی، اسے اول تا آخر پڑھتے۔ دورانِ مطالعہ چیدہ چیدہ مقامات پر نوٹ لکھتے جاتے۔ اسی علمی ذوق کی بناء پر علماء اہل حدیث میں نیک شہرت کے حامل تھے۔ اللہ کریم نے آپ کو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی کے علوم کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کو کتبِ حدیث کے مطالعہ کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ تقریراً و تحریراً جو کچھ فرماتے، اس میں تحقیق و تنقید کا عنصر نمایاں ہوتا۔ آپ کی زیرِ مطالعہ ایک کتاب کو دیکھ کر مولانا محمد صادق صاحب خلیل نے فرمایا کہ ہمیں آپ کی لائبریری میں موجود کتابوں کے بالاستیعاب مطالعہ کی بجائے آپ کے لگائے ہوئے نوٹس دیکھ لینا کافی ہے۔

مکتبہ سعیدیہ:

اسی علمی ذوق کی بناء پر آپ نے ورثہ میں ہزاروں کتابوں پر مشتمل ایک عظیم لائبریری چھوڑی ہے، جو "مکتبہ سعیدیہ" کے نام سے معروف ہے۔ اس مکتبہ میں قرآنِ کریم کے مختلف نسخے، مختلف عربی اردو تفاسیر، انگریزی، فارسی، اردو تراجم، کتبِ حدیث کا وسیع ذخیرہ اور ان کی عربی شروح، حواشی اور اردو تراجم، اصولِ تفسیر و حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، عربی اور فارسی ادب، منطق، فلسفہ، معانی، بیان، تاریخ، علمِ رجال و اسناد، فتاوٰی اور عربی، اردو، فارسی اور انگریزی لغات کے علاوہ تحقیقی رسائل وغیرہ ہزاروں کی تعداد میں کتابیں ہیں۔ آپ کو سیرت النبیؐ سے خاصا لگاؤ تھا۔ اکثر و بیشتر سیرت کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے۔ اردو اور عربی میں سیرت کی کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ

لائبریری میں موجود ہے۔ اتنی بڑی ذاتی لائبریری بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم پورے ضلع بھکر و میانوالی میں کسی کی ذاتی لائبریری تو در کنار، کسی قومی ادارہ کی بھی اتنی بڑی لائبریری نہیں ہے۔

مسلک اہلحدیث سے شیفتگی اور جماعت اسلامی سے اخراج :

آپ چونکہ مسلکاً اہل حدیث تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ اس مسلک کے حامل افراد ہی درحقیقت صحیح اسلام پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا آپ مسلک کی اشاعت فرماتے رہتے۔ مسلک سے آپ کی محبت قابلِ قدر اور قابلِ رشک تھی۔ آپ کا علاقہ اگرچہ جہالت و بدعت و شرک کا مرکز ہے، لیکن اکیلے ہونے کے باوجود یہاں بھی توحید و اتباعِ سنت کی شمع روشن کئے رہے۔ ہمیشہ کتاب و سنت کی عام اشاعت اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ اور یہی جذبہ کھینچ کر آپ کو جماعتِ اسلامی میں لے آیا۔ آپ نے دن رات ایک کر کے نفاذِ اسلام کے لیے کام کیا لیکن بعض دوسرے احبابِ جماعت کی طرح جماعت اسلامی کی رکنیت آپ کے مذہبی و مسلکی جذبہ کو متاثر نہ کر سکی۔ اور مسلکِ اہلحدیث سے محبت کے جرم میں آپ کو جماعت اسلامی سے نکال دیا گیا، کہ آپ نے جماعت اہل حدیث کے ایک اجتماع کو جماعت اسلامی کے اجتماع پر کیوں ترجیح دی؟ —— اس وقت کے کوثر اور تسنیم وغیرہ اخبارات اس واقعہ کے گواہ ہیں!

ذریعۂ معاش :

آپ ایک قابل و حاذق تجربہ کار طبیب تھے۔ عام طور پر یونانی طریق سے علاج فرماتے۔ سعیدی دواخانہ کے نام سے منکیرہ میں ایک مطب تھا۔ علم و ادب کے علاوہ حکمت میں بھی آپ کو کافی شہرت اور کمال حاصل تھا اور لوگ دور دراز سے علاج معالجہ کے لیے حاضرِ خدمت ہو کر باذن اللہ شفایاب ہوتے۔

سفرِ حج پر روانگی :

۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۴ء تک چک ۵۵ رحیم یار خاں میں رہائش پذیر رہے۔ اپنے

حصہ کی زمین فروخت کر کے حجِ بیت اللہ کی درخواست مع اہلیہ اور دونوں بیٹوں کے لیے دی، جو منظور ہو گئی۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ مزید پندرہ افراد تھے۔

عالی سند کا حصول:

اس سفر میں آپ کو مدینہ منورہ میں اکیس (۲۱) روز قیام کا موقعہ مل گیا۔ ان دنوں وہاں شیخ الحدیث مولانا محمد علی لکھوی بن مولانا محی الدین لکھوی بن حافظ محمد لکھوی رحمہم اللہ (صاحبِ احوال الآخرت و تفسیر محمدی پنجابی منظوم) تشریف رکھتے تھے۔ محدثین کے نزدیک حدیث کی سند کا حاصل کرنا متوارث چلا آرہا ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک حتی الامکان کم از کم واسطے ہوں، اسے عالی سند کہا جاتا ہے۔ آپ نے مولانا محمد علی مرحوم سے سندِ حدیث حاصل کی۔ یہ سند امام شوکانیؒ صاحبِ نیل الاوطار کے واسطے سے ہے۔ (جاری ہے)

شعر و ادب — جناب فضل سوہدری

اپنا مزاجِ عجز کے سانچے میں ڈھال دے!

دل سے نمود و فخر و رعونت نکال دے
اپنا مزاج عجز کے سانچے میں ڈھال دے

ایسا نہ ہو کہ تجھ پہ کبھی انگلیاں اٹھیں
موقع نہ دوسروں کو کبھی خوش خصال دے

یہ دور، دورِ فتنہ ہے لازم ہے احتیاط
ہیں جتنی لاابالیاں دل سے نکال دے

کر اپنا رازِ دل نہ کسی پر بھی آشکار
باتیں ادھر ادھر کی بنا کر ہی ٹال دے

ہمدردیوں میں غیر کی آنا نہ زینہار
ممکن ہے وہ تیری پگڑی اچھال دے

پروا نہ کر کبھی تو نشیب و فراز کی
دل کا غبار لوگوں سے کہہ کے نکال دے

دشمن کو مت سمجھ کبھی کمزور و ناتواں
محتاط رہ، مبادا مصیبت میں ڈال دے

البتہ پہل اپنی طرف سے کبھی نہ کر!
ہو جائے گر مقابلہ کس بل نکال دے

فضلِ حزیں ہے کس لیے تو محوِ رنج و غم
یہ کائنات اور کسی کو سنبھال دے

Regd. No. L. 7895 Phones : 852897 - 63210

Monthly MOHADDIS Lahore-14

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

★ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمّت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

★ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ـــــ لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمّت کی تباہی کا سبب ہے۔

★ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ـــــ لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا، حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

★ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے ـــــ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

★ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے ـــــ لیکن

ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

★ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے ـــــ لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو :

مُحدِّث

مطالعہ فرمایئے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزیّن پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زر سالانہ ۳۰ روپے فی پرچہ ۳ روپے